ماہنامہ

جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 34... شمارہ نمبر 04... اپریل 2026

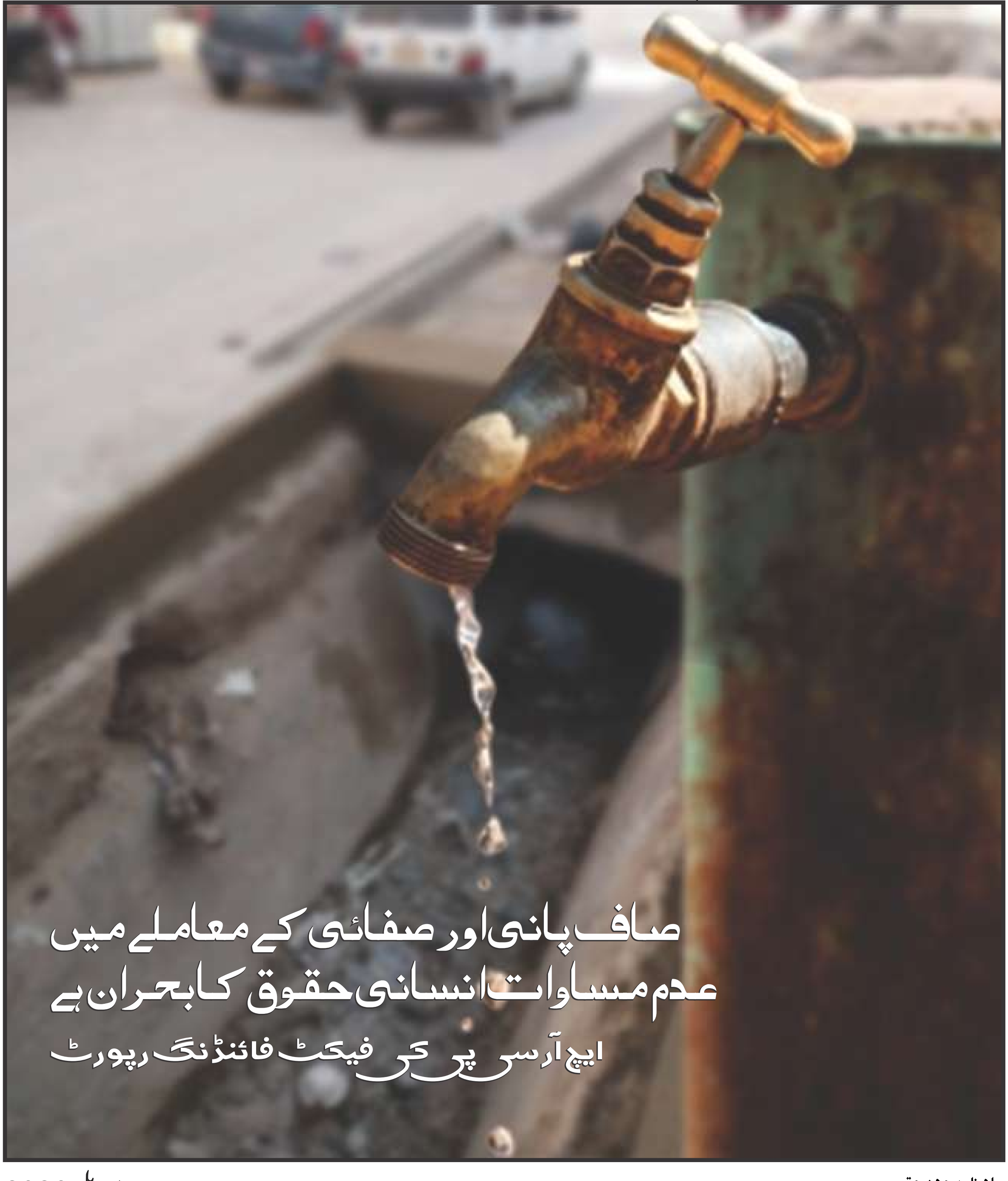

صاف پانی اور صفائی کے معاملے میں عدم مساوات انسانی حقوق کا بحران ہے

ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			

6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اوراس کی مختصر تفصیل

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثرورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	

15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کرکے بھیجیں

پنجاب میں شہری آزادیوں کا محدود ہونا جمہوری تنزلی کی علامت ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی جانب سے جاری کی گئی ایک فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پنجاب بھر میں شہری آزادیوں کے دائرے کا مسلسل سکڑنا اور حقوق پر کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں پر منظم قدغنیں دراصل پاکستان میں جاری جمہوری تنزلی کی علامت ہیں۔

رپورٹ میں ایسے متعدد واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں غیر سرکاری تنظیموں کو متعدد مراحل پر مبنی منظوری کے پیچیدہ عمل سے گزرنا پڑا، جن میں اقتصادی امور ڈویژن (ای اے ڈی) کے ساتھ لازمی مفاہمتی یادداشتیں (ایم او یوز)، ضلعی سطح پر این او سیز اور رجسٹریشن سے قبل سیکیورٹی کلیئرنس جیسے کٹھن تقاضے شامل ہیں۔ ان تقاضوں کو مزید سخت کرتے ہوئے صوبائی چیریٹیز کمیشنز کے تحت دوبارہ رجسٹریشن کو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ان رکاوٹوں نے نہ صرف این جی اوز کی سرگرمیوں کے دائرہ کار اور وسعت کو محدود کر دیا ہے بلکہ اس کے نتیجے میں انسانی حقوق اور جمہوریت کے لیے جاری اہم پروگرامز معطل یا مکمل طور پر بند ہو گئے ہیں۔ اگرچہ عدالتوں نے بعض موقعوں پر ریلیف فراہم کیا، خصوصاً ای اے ڈی کی 2022 کی پالیسی کو کالعدم قرار دے کر، تاہم حقوق سے ہم آہنگ جامع قانونی فریم ورک کی عدم موجودگی نے انتظامی اختیارات کے بے جا استعمال کو جاری رکھا ہے۔

فیکٹ فائنڈنگ مشن کی جانب سے جمع کیے گئے شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاستی ادارے بظاہر قانونی طریقہ کار کو برقرار رکھتے ہوئے انتظامی کارروائیوں — جیسے اجازت ناموں کو روکنا، بینک اکاؤنٹ منجمد کرنا اور تنظیموں کو بار بار جانچ پڑتال کا نشانہ بنانا — کے ذریعے دباؤ بڑھا رہے ہیں۔ ان اقدامات کا زیادہ تر نشانہ حقوق پر کام کرنے والی تنظیمیں بنی ہیں، جس کے باعث کئی تنظیموں کو اپنے وسائل کا بڑا حصہ محض ضوابط کی تعمیل پر خرچ کرنا پڑا، سرگرمیاں محدود کرنا پڑیں یا ایڈووکیسی کا کام ترک کرنا پڑا۔ اس صورتحال کے اثرات خصوصاً خواتین کی زیرِ قیادت تنظیموں اور اقلیتوں کے حقوق پر کام کرنے والی ان تنظیموں پر زیادہ شدید رہے ہیں، جو غیر ریاستی عناصر کے خطرات اور ادارتی معاونت کی کمی جیسے دوہرے مسائل کا سامنا کر رہی ہیں۔

رپورٹ پر تبادلہ خیال کے لیے آج منعقد ہونے والے ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے مشن کے رکن زیشان نوئل نے کہا کہ پاکستان میں قانونی اور پالیسی ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے شہری آزادیوں کو بتدریج محدود کر کے جمہوری تنزلی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ مشن کے ایک اور رکن نسیم انتھونی کے مطابق اس عمل کے نتیجے میں معاشرے میں فکری زوال بھی پیدا ہو رہا ہے۔ وکیل ثاقب جیلانی نے زور دیا کہ ای اے ڈی کی 2022 کی پالیسی کے خلاف مقدمات لڑنے والے وکلاء کو متحد ہو کر کام کرنا چاہیے۔

سیمرغ کی ایگزیکٹو کوآرڈینیٹر نیلم حسین نے کہا کہ مالی دباؤ کے باوجود این جی اوز کا ''مزاحمت اور مکالمے کا عزم'' برقرار رہنا چاہیے۔ جوائنٹ ایکشن کمیٹی کے کنوینر عرفان مفتی نے بتایا کہ نئی این جی اوز کی رجسٹریشن میں نمایاں کمی آئی ہے، جبکہ اس عمل کی نگرانی میں متعدد قانون نافذ کرنے والے ادارے شامل ہیں۔

وائز کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر بشریٰ خالق نے نشاندہی کی کہ جنوبی پنجاب میں خواتین کی زیرِ قیادت کام کرنے والی تنظیمیں ان ضوابط سے خاص طور پر متاثر ہوئی ہیں۔ سینٹر فار سوشل جسٹس کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر پیٹر جیکب کے مطابق موجودہ صورتحال سول سوسائٹی کے لیے ایک موقع بھی فراہم کرتی ہے کہ وہ باہمی تعاون سے مؤثر حکمت عملی اپنائے۔ سیمینار کے اختتام پر ایچ آر سی پی پنجاب کے وائس چیئر راجہ اشرف نے کہا کہ حقوق کو ایک وسیع ادارتی حکمت عملی کے تحت منظم انداز میں محدود کیا جا رہا ہے۔

[پریس ریلیز۔ اسلام آباد۔ 27 مارچ 2025]

فہرست

پنجاب میں شہری آزادیوں کا محدود ہونا جمہوری تنزلی کی علامت ہے 03

صاف پانی اور صفائی کے معاملے میں عدم مساوات انسانی حقوق کا بحران ہے 04

ترقی یا بے دخلی؟ اسلام آباد کی مسیحی بستیوں کا المیہ 05

اقلیتوں کے حقوق اور پاکستان کا آئینی وعدہ 06

پاکستان میں ماں اور بچے کی صحت انسانی حقوق کے تناظر میں 07

نہ ہوگا بانس، نہ بجے گی بانسری 08

سیاہ کاری کے جھوٹے الزامات: خواتین کے خلاف ظلم کی ایک اور داستان 10

نوجوانوں کے رویے اور اقدار پر سوشل میڈیا کے اثرات 11

سال 2025 کے دوران سندھ میں خواتین کی صورتحال پر ہاری ویلفیئر ایسوسی ایشن کا تحقیقی جائزہ 12

خاموشی جرم ہے 13

اسلام آباد کے تعلیمی اداروں میں تولیدی صحت کی تعلیم دینے کا بل 15

صاف پانی اور صفائی کے معاملے میں عدم مساوات انسانی حقوق کا بحران ہے

ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ

پاکستان کا دوسرا بڑا شہر لاہور اپنے پانی، سیوریج اور نکاسی آب کے نظام میں بڑے چیلنجز کا سامنا کر رہا ہے۔

غیر منظّم توسیع، اور اور غیر موثر دیکھ بھال کے نتیجے میں شہر پانی اور صفائی کی مساوی اور پائیدار خدمات فراہم کرنے سے قاصر ہے جس کے باعث شہری وقتاً فوقتاً سیلاب کی زد میں آتے ہیں، آلودہ پانی پینے پر مجبور ہیں اور صفائی کی سہولیات سے محروم نظر آتے ہیں۔ یہ ایسے مسائل ہیں جن سے کم آمدنی والی اور پسماندہ برادریاں دیگر لوگوں کے مقابلے میں زیادہ متاثر ہو رہی ہیں۔

ہر سال مون سون کے دوران اربن فلڈنگ جیسے مسائل شہری زندگی کو متاثر کر رہے ہیں۔ تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ بیوروکریٹک سست روی، پرانی پالیسیاں اور شہریوں کی شمولیت کا فقدان ان مسائل کو مزید گھمبیر بنا رہا ہے۔

رپورٹ کے مطابق کم آمدن آبادیوں، کچی بستیوں، خواتین، ٹرانس جینڈر افراد اور معذوری کے شکار افراد کو پانی اور صفائی کی سہولیات کے حصول میں شدید مشکلات درپیش ہیں۔ ایک کروڑ تیس لاکھ آبادی کے شہر میں پانی کی فراہمی اور صفائی کا ناکارہ نظام بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے اس سنگین مسئلے سے جڑے اصل حقائق جاننے کے لیے ایک فیکٹ فائنڈنگ تحقیق کا اہتمام کیا اور مسئلے کے حل کے لیے قابلِ عمل سفارشات پیش کی ہیں جن میں سے چند ایک ذیل میں بیان ہیں۔

انسانی حقوق کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ رپورٹ پانی، سیوریج اور نکاسی آب کی خدمات کے ڈیزائن اور فراہمی میں بنیادی انسانی حقوق کے اصولوں کی سنگین خلاف ورزیوں کو بے نقاب کرتی ہے۔

i. پاکستان نے ابھی تک پانی اور صفائی کے انسانی حق پر قانون سازی نہیں کی ہے، عدالتی فیصلوں کے باوجود جن میں محفوظ پانی تک رسائی کے لیے موجودہ آئینی ضمانتوں کی تشریح کی گئی ہے۔ اس لیے قانون سازی کے لیے مربوط ایڈووکیسی ضروری ہے۔

ii. صوبائی اور میونسپل حکام کو غریبوں کی خدمت کے ماڈل کے ذریعے غیر رسمی اور کم آمدنی والی بستیوں میں پانی اور صفائی کے بنیادی ڈھانچے کو ریگولرائز کرنے اور اپ گریڈ کرنے کو ترجیح دینی چاہیے۔

iii. پنجاب حکومت اور متعلقہ میونسپل حکام کو تمام غیر سرکاری اور سرکاری عمارتوں میں رسائی کے عالمی معیارات کو لازمی قرار دینا چاہیے۔ واضح ہدایات میں عوامی سہولیات کے استعمال میں خواجہ سراؤں کے خلاف امتیازی سلوک کو ممنوع قرار دینا چاہیے۔ جبکہ معذوری کے شکار افراد کے لیے رسائی کو یقینی بنانے کی خاطر موجودہ ڈھانچے کو دوبارہ بنانے کے لیے مخصوص بجٹ مختص کیا جانا چاہیے۔

iv. پانی کی غیر پائیدار کھپت کو روکنے کے لیے رہائشی اور تجارتی پانی کی پیمائش کا نظام متعارف کرایا جانا چاہیے۔ یہ مالیاتی تحفظ کی ترغیب دے گا اور پانی کے ضرورت سے زیادہ استعمال اور ضیاع کو کم سے کم کرے گا۔

v. میونسپل حکام کو فوری طور پر گٹر میں داخلے کے خطرناک طریقوں کو ختم کرنا چاہیے اور پیشہ ورانہ صحت اور حفاظت کے سخت پروٹوکول نافذ کرنے چاہییں۔

vi. نگرانی کو یقینی بنانے کے لیے احتساب کا طریقہ کار متعارف کرایا جانا چاہیے، جبکہ اعلیٰ حکام کو سیوریج کے انتظام کی براہ راست ذمہ داری قبول کرنی چاہیے۔ ادارہ جاتی اصلاحات کرتے وقت صفائی کے کام کو لازمی پبلک سروس لیبر کے طور پر تسلیم کیا جائے۔

vii. بنیادی ڈھانچے کی ناکامیوں، سروس کی رکاوٹوں، اور معمول کی دیکھ بھال سے متعلق بہت سے معمولی و مقامی مسائل اس وقت زیادہ مؤثر طریقے سے حل کیے جا سکتے ہیں جب حکام کمیونٹی پر مبنی تنظیموں کے ساتھ مل جل کر کام کرتے ہیں۔

viii. ایچ آر سی پی نے پانی اور صفائی کو بنیادی انسانی حق قرار دینے کے لیے قانون سازی کا مطالبہ کیا ہے اور سفارش کی ہے کہ کچی آبادیوں کو زمین کی ملکیت سے مشروط کیے بغیر پانی اور سیوریج کی سہولت فراہم کی جائے۔

ix. رپورٹ میں صنفی مساوات پر مبنی اور معذوری کے شکار افراد کے لیے قابلِ رسائی پبلک ٹوائلٹس کے قیام، پانی کے میٹرز کی تنصیب کے ذریعے استعمال کو لاگت سے منسلک کرنے اور ضیاع روکنے کی تجاویز دی گئی ہیں۔

x. مزید برآں سیوریج ورکرز کو مین ہول میں خطرناک انٹری سے روکنے، حفاظتی قوانین کے نفاذ، شہری شکایات کے فوری ازالے کے لیے کمیونٹی بیسڈ میکنزم کے قیام، موسمیاتی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے پیشگی وارننگ سسٹم اور ہنگامی منصوبہ بندی پر زور دیا گیا ہے، جبکہ پانی کی فراہمی کا پائیدار اور ماحول دوست نظام لاگو کرنے کی سفارش بھی کی گئی ہے۔

لاہور میں شہری صاف پانی کے لیے دربدر بھٹکنے لگے

لاہور لاہور کے شہریوں کو صاف پانی کی فراہمی کے حکومتی دعوے تا حال عملی شکل اختیار نہ کر سکے، شہر بھر میں قائم سینکڑوں واٹر فلٹریشن پلانٹس بند پڑے ہیں، جس کے باعث صاف پانی کی دستیابی شہریوں کے لیے ایک خواب بن کر رہ گئی ہے۔ واٹر فلٹریشن پلانٹس سے متعلق چشم کشا انکشافات سامنے آئے ہیں، جنہوں نے متعلقہ اداروں کی کارکردگی پر سنجیدہ سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔ ذرائع کے مطابق ضلع لاہور میں سرکاری سطح پر مجموعی طور پر 929 واٹر فلٹریشن پلانٹس نصب کیے گئے تھے، تاہم ان میں سے 280 پلانٹس اس وقت غیر فعال ہیں۔ سب سے زیادہ تشویشناک صورتحال پبلک ہیلتھ انجینئرنگ ڈویژن لاہور کے زیر انتظام فلٹریشن پلانٹس کی بتائی جا رہی ہے، جہاں 121 پلانٹس مکمل طور پر بند ہیں، جبکہ اسی محکمے کے زیر انتظام صرف 13 فلٹریشن پلانٹس ہی فعال حالت میں ہیں۔ دوسری جانب لوکل کمیونٹی کے زیر انتظام صرف 12 واٹر فلٹریشن پلانٹس چلائے جا رہے ہیں، جبکہ پنجاب صاف پانی اتھارٹی کے زیر انتظام 89 فلٹریشن پلانٹس فعال ہونے کی اطلاعات ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ کے غیر فعال 121 فلٹریشن پلانٹس میں سے 80 پلانٹس کی بحالی پر پنجاب صاف پانی اتھارٹی کام کر رہی ہے، تاہم یہ پلانٹس تا حال فعال نہیں ہو سکے، جبکہ باقی ماندہ 41 پلانٹس کو اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا ہے، جس سے ان پر خرچ ہونے والے سرکاری فنڈز کے ضائع ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے۔ اگرچہ غیر فعال فلٹریشن پلانٹس کو مرحلہ وار بحال کرنے کا منصوبہ تیار کر کے صاف پانی اتھارٹی کے حوالے کیا گیا تھا، لیکن عملی طور پر شہریوں کو اس منصوبے سے اب تک کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکا۔ ناقص منصوبہ بندی، عدم نگرانی اور ادارہ جاتی کمزوریوں کے باعث لاہور میں صاف پانی کے منصوبے مسلسل سوالیہ نشان بنتے جا رہے ہیں، جبکہ شہری آج بھی صاف پانی کی فراہمی سے متعلق سرکاری دعووں پر عملی اقدامات کے منتظر ہیں۔ (بشکریہ روزنامہ اوصاف)

ترقی یا بے دخلی؟ اسلام آباد کی مسیحی بستیوں کا المیہ

شکیل انجم ساون
چیئرمین، نوائے مسیحی

یہ وہی مسیحی خاندان ہیں جنہیں ماضی میں مشکل وقت کے دوران یہاں بسایا گیا تھا

اسلام آباد کے دل میں بسنے والی مسیحی بستیوں کی کہانی ایک بار پھر ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ ترقی کے نام پر انسان کہاں کھڑا ہے اور انسانیت کہاں رہ گئی ہے۔ دارالحکومت میں تین بڑی مسیحی آبادیوں کو خالی کرانے اور مکانات مسمار کرنے کا فیصلہ وقتی طور پر روک دیا گیا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ صرف وقفہ ہے یا کسی بڑے طوفان سے پہلے کی خاموشی؟

حکومت کی جانب سے تقریباً 25 ہزار افراد — جن میں اکثریت مسیحیوں کی ہے — کو بے دخل کرنے کا منصوبہ پیش کیا گیا۔ دلیل یہ دی گئی کہ اسلام آباد کے ماسٹر پلان پر عملدرآمد کے لیے ’’سرکاری زمین واگزار‘‘ کروانا ضروری ہے۔ لیکن کیا کسی بھی منصوبے کی بنیاد انسانوں کے گھروں کو گرا کر رکھی جاسکتی ہے؟ کیا ترقی کا مطلب کمزور طبقے کو مزید کمزور کرنا ہے؟

یہ وہی مسیحی خاندان ہیں جنہیں ماضی میں مشکل وقت کے دوران یہاں بسایا گیا تھا۔ جب توہینِ مذہب کے جھوٹے الزامات کے باعث ایک کم عمر بچی، رمشا مسیح، کا کیس سامنے آیا تو ان خاندانوں کو جان کے خطرات لاحق ہوئے۔ تب ریاست نے انہیں یہاں منتقل کیا۔ آج وہی لوگ ایک بار پھر غیر یقینی صورتحال کا شکار ہیں۔ یہ صرف گھروں کی بات نہیں، یہ اعتماد کی بات ہے — ریاست اور شہری کے درمیان اعتماد کی۔

انخلا کے اعلان کے بعد مسیحی برادری سڑکوں پر نکل آئی۔ احتجاج، دعائیں، اور اپیلیں — ہر دروازہ کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ ان کا مطالبہ سادہ ہے: ’’اگر ہمیں جانا ہے تو ہمیں متبادل زمین اور باعزت رہائش دی جائے۔‘‘ یہ کوئی غیر معمولی مطالبہ نہیں، بلکہ بنیادی انسانی حق ہے۔

حکام کا کہنا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں جاری جنگ، خاص طور پر امریکہ، اسرائیل اور ایران کے درمیان کشیدگی کے باعث پیدا ہونے والے ایندھن کے بحران اور غیر یقینی صورتحال کی وجہ سے اس منصوبے کو وقتی طور پر روک دیا گیا ہے۔ لیکن اسی بیان میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ یہ منصوبہ ’’یقیناً آگے بڑھے گا‘‘ — یعنی خطرہ ٹلا نہیں، صرف مؤخر ہوا ہے۔

وزیر داخلہ محسن نقوی کی جانب سے غیر قانونی آبادیوں کے خلاف کارروائی کا اعلان بھی سامنے آیا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ قانون کی عملداری ضروری ہے، لیکن قانون کا نفاذ ہمیشہ انصاف اور رحم کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اگر ہزاروں افراد کو بغیر کسی متبادل کے بے گھر کر دیا جائے تو یہ قانون کی جیت نہیں بلکہ انسانیت کی ہار ہوگی۔

مسیحی رہنماؤں نے سابق وفاقی وزیر کامران مائیکل سے ملاقات کی اور اپنے خدشات حکومت تک پہنچانے کی اپیل کی۔ دوسری جانب سماجی کارکن جولیس سالک اس منصوبے کے مکمل خاتمے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سڑک بنانی ہے تو کوئی اور راستہ نکالا جائے، غریبوں کے گھروں پر ترقی کی بنیاد نہ رکھی جائے۔ یہ مسئلہ صرف اسلام آباد کی تین بستیوں کا نہیں، بلکہ یہ پاکستان میں اقلیتوں کے مستقبل کا آئینہ ہے۔ کیا ہم ایک ایسا معاشرہ بنانا چاہتے ہیں جہاں کمزور کو آسانی سے ہٹا دیا جائے؟

چرچ کی قیادت اس صورتحال میں اپنے لوگوں کے ساتھ کھڑی ہے۔ فادر سلویسٹر جوزف نے واضح کیا کہ اگر خدانخواستہ مکانات مسمار کیے گئے تو چرچ متاثرہ خاندانوں کو کھانا اور عارضی رہائش فراہم کرے گا۔ یہ چرچ کا وہ کردار ہے جو ہمیشہ مشکل وقت میں امید کی کرن بنتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ریاست اپنی ذمہ داری چرچ پر چھوڑ سکتی ہے؟

مسیحی رہنماؤں نے سابق وفاقی وزیر کامران مائیکل سے ملاقات کی اور اپنے خدشات حکومت تک پہنچانے کی اپیل کی۔ دوسری جانب سماجی کارکن جولیس سالک اس منصوبے کے مکمل خاتمے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سڑک بنانی ہے تو کوئی اور راستہ نکالا جائے، غریبوں کے گھروں پر ترقی کی بنیاد نہ رکھی جائے۔

یہ مسئلہ صرف اسلام آباد کی تین بستیوں کا نہیں، بلکہ یہ پاکستان میں اقلیتوں کے مستقبل کا آئینہ ہے۔ کیا ہم ایک ایسا معاشرہ بنانا چاہتے ہیں جہاں کمزور کو آسانی سے ہٹا دیا جائے؟ یا ایسا ملک جہاں ہر شہری، چاہے اس کا مذہب کچھ بھی ہو، برابر کے حقوق اور تحفظ کا حقدار ہو؟

کاریتاس پاکستان کے نمائندے نے بھی واضح کیا ہے کہ جبری بے دخلی نہ صرف غیر اخلاقی بلکہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ انہوں نے کیتھولک برادری سے اپیل کی کہ وہ قانونی اور پرامن طریقوں سے اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کریں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت، عدلیہ، سول سوسائٹی، اور مذہبی قیادت مل بیٹھ کر ایک ایسا حل نکالیں جو انصاف پر مبنی ہو۔ ترقی کے منصوبے ضرور بنیں، لیکن ان کی بنیاد انسانوں کے آنسوؤں پر نہ رکھی جائے۔

بطور مسیحی قوم، ہمیں دعا کے ساتھ ساتھ عملی قدم بھی اٹھانے ہوں گے۔ اپنے بھائیوں اور بہنوں کے لیے آواز بلند کرنا، ان کے ساتھ کھڑا ہونا، اور ان کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنا ہمارا فرض ہے۔

خدا ہمیں حکمت دے کہ ہم انصاف کا ساتھ دیں، اور ہمارے حکمرانوں کو یہ توفیق دے کہ وہ فیصلے کرتے وقت انسانیت کو مقدم رکھیں۔

آئیں ہم دعا کریں کہ خدا ہمارے ملک میں انصاف، رحم اور حکمت کو فروغ دے تاکہ کوئی بھی شہری خود کو غیر محفوظ محسوس نہ کرے۔ آمین۔ (بشکریہ نوائے مسیحی)

اقلیتوں کے حقوق اور پاکستان کا آئینی وعدہ

طارق محمود غوری

پاکستان کی آزادی کو سات دہائیوں سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بھی ایک بنیادی سوال اب تک موجود ہے: آئینی طور پر اقلیتوں کو دی گئی ضمانتوں کو عملی شکل کیسے دی جائے؟ قوانین موجود ہیں، عدالتی فیصلے آ چکے ہیں، اور اصول واضح ہیں۔ لیکن صرف کاغذ پر یہ وعدے زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس کے لیے مستقل عمل درآمد، معاشرتی شعور اور قائداعظم محمد علی جناح کے وژن کے ساتھ وفاداری ضروری ہے۔

اقلیتوں کے ساتھ سلوک کوئی غیر اہم مسئلہ نہیں ہے؛ یہ آئینی جمہوریت کی صحت کا ایک بنیادی پیمانہ ہے۔ مذہبی، نسلی اور لسانی اقلیتیں صرف تعداد سے نہیں بلکہ طاقت، مواقع اور تحفظ سے محرومی کے خطرے سے پہچانی جاتی ہیں۔ مسیحی، ہندو، سکھ، احمدی اور دیگر گروہ پاکستان کی سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی میں ہمیشہ حصہ دار رہے ہیں۔ مگر آزادی کے کئی دہائیوں بعد بھی بہت سے افراد آج بھی امتیازی سلوک، غیر یقینی صورتحال اور حاشیے پر رہنے کا سامنا کرتے ہیں۔

ملک کی تخلیق کے وقت، قائداعظم محمد علی جناح نے ایک واضح اور جامع وژن پیش کیا۔ 11 اگست 1947 کو آئینی اسمبلی سے اپنے تاریخی خطاب میں انہوں نے اعلان کیا کہ مذہب ریاست کے امور میں دخل اندازی نہیں کرے گا اور تمام شہری بلاخوف اپنی مذہبی آزادی استعمال کر سکیں گے۔ یہ محض تقریر نہیں تھی۔ یہ نئے ملک کے لیے آئینی اور اخلاقی رہنما اصول تھے۔ وزیراعظم لیاقت علی خان کے ہمراہ، کابینہ میں جوگندر ناتھ منڈل، ایک دلت ہندو، کو قانون اور محنت کا وزیر مقرر کیا گیا، جبکہ سر محمد ظفر اللہ خان، ایک احمدی، کو وزیر خارجہ بنایا گیا۔ وزیر قانون کے طور پر منڈل نے نئے بننے والے ملک کے آئین کو ترتیب دینے میں اہم کردار ادا کیا، جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ پاکستان کے بانیوں نے ریاست کے نظریے کے بارے میں واضح سوچ رکھی تھی: ایک سیکولر ملک جہاں حکومت میں مذہب کو دخل نہ ہو۔ دیگر ارکان، جن میں خواجہ ناظم الدین (داخلہ امور) اور راجہ غضنفر علی خان (خوراک وزراعت) شامل تھے، شمولیت اور تنوع کے ابتدائی عزم کو ظاہر کرتے ہیں۔ منصوبہ بندی کے مطابق پاکستان کے اعلیٰ ترین عہدے اکثریتی کمیونٹی کے لیے مخصوص نہیں تھے۔ یہ سب شہریوں کے لیے کھلے تھے، جو یہ پیغام دیتے تھے کہ ریاست سب کی ہے۔

بعد میں آئین نے ان اصولوں کو مضبوط کیا۔ آرٹیکل 20 مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے؛ آرٹیکل 25 قانون کے سامنے برابری یقینی بناتا ہے؛ آرٹیکل 22(1) تعلیمی اداروں میں مذہبی امتیاز کی ممانعت کرتا ہے؛ آرٹیکل 36 ریاست کو اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور نمائندگی یقینی بنانے کا پابند کرتا ہے؛ اور آرٹیکل 33 ریاست کو نسلی اور فرقہ ورانہ تعصّبات کے خاتمے کا حکم دیتا ہے۔ یہ تمام شقیں شہری حقوق کی بنیاد برابری پر رکھنے کا وژن پیش کرتی ہیں۔

تاہم، آئینی وعدے اور حقیقی زندگی کے درمیان فاصلہ آج بھی بڑا ہے۔ تعلیم اور ملازمت میں امتیاز، زبردستی مذہبی تبدیلیاں، مذہبی قوانین کا غلط استعمال، اور کبھی کبھار تشدد جاری ہے۔ یہ ناکامیاں صرف سماجی مسائل نہیں، بلکہ حکمرانی اور عمل درآمد میں خامیوں کی عکاسی کرتی ہیں۔

اس صورتحال کا ایک اہم حل سپریم کورٹ کے 19 جون 2014 کے تاریخی فیصلے کی صورت میں سامنے آیا، جس نے ریاست کی ذمہ داری کو اقلیتوں کی جان، ملکیت اور عبادت گاہوں کے تحفظ کے لیے دوبارہ واضح کیا۔ عدالت نے زور دیا کہ مذہبی آزادی صرف عبادت تک محدود نہیں، بلکہ شہری زندگی میں برابر کے حصہ لینے اور ریاستی غیر جانبداری کی ضرورت ہے۔ اس نے مضبوط ادارہ جاتی تحفظات، نفرت انگیز تقریر کے خلاف کارروائی، اور تعلیم میں رواداری و ہم آہنگی کے فروغ کا بھی مطالبہ کیا۔

تاہم، قانونی فیصلے اکیلے ایک جامع معاشرہ قائم نہیں کر سکتے۔ حقیقی شمولیت کے لیے معاشرتی رویوں، ادارہ جاتی عمل، اور روزمرہ کے رویوں میں تبدیلی ضروری ہے۔ اسکول، میڈیا، مذہبی رہنما اور سول سوسائٹی سب کا کردار ہے۔ لیکن اصل ذمہ داری ریاست کی ہے کہ وہ آئینی وعدوں کو مسلسل، غیر جانبدار اور مساوی طور پر نافذ کرے۔

پاکستان ایک سنگ میل پر کھڑا ہے۔ بانی کی رہنمائی، آئین کا متن، اور اعلیٰ عدالت کی تشریح سب ایک اصول کی طرف اشارہ کرتی ہیں: اقلیتوں کے حقوق مراعات نہیں، بلکہ انصاف کا پیمانہ ہیں۔ ایک مستحکم، با اعتماد اور متحد پاکستان تبھی ممکن ہے جب تنوع کو خطرہ سمجھنے کی بجائے قوت کے طور پر تسلیم کیا جائے۔

یہ وہ پاکستان ہے جس کا قائداعظم نے خواب دیکھا تھا۔ یہ کوئی دور یا غیر حقیقی خواب نہیں۔ یہ آج بھی قابل حصول ہے، اگر قوم اپنے بنیادی اصولوں کا احترام کرنے کا انتخاب کرے۔

نجی ہسپتال میں 16 سالہ لڑکی سے مبینہ زیادتی، ایف آئی آر درج، ملزمان تا حال گرفتار نہ ہو سکے

منڈی بہاؤالدین ایف آئی آر میں بیان کیا گیا کہ لڑکی واش روم گئی اور کافی دیر تک واپس نہ آئی، جس پر اہل خانہ کو شدید تشویش ہوئی۔ لڑکی کی خالہ نے ہسپتال میں تلاش شروع کی، جس کے دوران ایک کمرے سے چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔ منڈی بہاؤالدین میں واقع انمول ہسپتال میں 16 سالہ لڑکی کے ساتھ مبینہ جنسی زیادتی کا واقعہ پیش آیا۔ متاثرہ لڑکی کی والدہ کی مدعیت میں تھانہ سول لائنز میں مقدمہ درج کرلیا گیا ہے۔ مقدمہ پاکستان پینل کوڈ کی دفعہ 376(3) اور دفعہ 114 کے تحت درج کیا گیا ہے، اور ملزمان کی گرفتاری کے لیے کارروائی جاری ہے۔ ایف آئی آر کے مطابق متاثرہ لڑکی 5 مارچ کو اپنی خالہ اور خالو کے ہمراہ نجی ہسپتال انمول میں دوا لینے گئی۔ ایف آئی آر میں بیان کیا گیا کہ لڑکی واش روم گئی اور کافی دیر تک واپس نہ آئی، جس پر اہل خانہ کو شدید تشویش ہوئی۔ لڑکی کی خالہ نے ہسپتال میں تلاش شروع کی، جس کے دوران ایک کمرے سے چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔ ایف آئی آر کے مطابق خالہ نے دروازہ کھٹکھٹایا، تاہم اندر سے کسی نے جواب نہیں دیا۔ بعدازاں دروازے کو زور لگا کر کھولا گیا تو اندر ایک نامعلوم شخص موجود تھا، جس نے مبینہ طور پر لڑکی کے ساتھ جنسی زیادتی کی اور دھکے دے کر وہاں سے فرار ہو گیا۔ مدعیہ کے مطابق ہسپتال کے باہر ملزم کے دو مسلح ساتھی بھی موجود تھے، جنہوں نے ملزم کو گاڑی میں بٹھا کر وہاں سے لے گئے۔ واقعے کے بعد متاثرہ لڑکی کی والدہ نے پولیس سے رابطہ کیا اور تھانہ سول لائنز میں شکایت درج کروائی۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تحقیقات شروع کر دی ہیں۔ پولیس کے مطابق مختلف مقامات پر چھاپے مارے جا رہے ہیں تا کہ ملزمان کو جلد گرفتار کیا جا سکے۔ تھانہ سول لائنز کے پولیس اہلکار گل خان نے وائس پی کے سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ متاثرہ لڑکی کے ڈی این اے سمیت دیگر ضروری نمونے حاصل کر لیے گئے ہیں اور انہیں فرانزک تجزیے کے لیے بھجوا دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ فرانزک رپورٹ موصول ہونے کے بعد واقعے سے متعلق مزید حقائق سامنے آئیں گے، جس سے واقعے کے تمام پہلو واضح ہو جائیں گے۔ (بشکریہ وائس پی کے)

پاکستان میں ماں اور بچے کی صحت۔ انسانی حقوق کے تناظر میں

چوہدری طارق نذیر

پاکستان میں ماں اور بچے کی صحت کا مسئلہ صرف طبی یا فلاحی معاملہ نہیں بلکہ ایک بنیادی انسانی حقوق کا سوال ہے۔ کسی بھی مہذب معاشرے میں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ خواتین اور بچوں کو معیاری اور مساوی صحت کی سہولیات فراہم کرے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں یہ ذمہ داری مکمل طور پر ادا نہیں ہو رہی، جس کے باعث ماں اور بچے کی صحت کے اشاریے (indicators) تشویشناک حد تک کمزور ہیں۔

عالمی تناظر: عالمی یوم صحت

ہر سال 7 اپریل کو World Health Day منایا جاتا ہے، جس کا مقصد یہ اجاگر کرنا ہے کہ صحت ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اس دن کے موقع پر پاکستان میں ماں اور بچے کی صحت کا جائزہ لیا جائے تو صورتحال اب بھی نگران ہے۔

اعداد و شمار کی روشنی میں صورتحال زچگی کے دوران اموات کی شرح (Maternal Mortality Ratio) تقریباً 180 – 150 فی ایک لاکھ پیدائش۔

نوزائیدہ بچوں کی شرح اموات (Neonatal Mortality Rate)

پیدائش تقریباً 40 فی ہزار بچوں میں غذائی قلت (Malnutrition) ہے تقریباً 40–35 فیصد یہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ پیدائش کے ابتدائی ایام میں ماں اور بچے کی صحت کے لیے مناسب نگہداشت دستیاب نہیں۔

حکومتی ناکامیاں

پاکستان میں صحت کے شعبے کے لیے مختص بجٹ ناکافی ہے۔ دیہی علاقوں میں صحت کے مراکز اکثر غیر فعال ہیں، اور تربیت یافتہ عملہ کم ہے۔

پالیسیوں پر مؤثر عمل درآمد نہ ہونا نگرانی کا فقدان بدانتظامی اور بعض اوقات بدعنوانی یہ تمام عوامل ماں اور بچے کی صحت کے بحران کو مزید بڑھا رہے ہیں۔

ایچ آر پی سی کا کردار

Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) بارہا اس بات کی نشاندہی کرتا رہا ہے کہ صحت کی سہولیات تک مساوی رسائی ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ ایچ آر پی سی کی رپورٹس میں کہا گیا ہے کہ خواتین اور بچوں کو صحت کی بنیادی سہولیات سے محروم رکھنا انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔

غذائیت اور آگاہی

پاکستان میں خواتین کی بڑی تعداد آئرن، کیلشیم اور دیگر غذائی اجزاء کی کمی کا شکار ہے، جس کا اثر بچوں کی نشوونما اور مدافعتی نظام پر پڑتا ہے۔ ماں کے دودھ کی اہمیت کو بھی اجاگر کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ ابتدائی نشوونما کے لیے بہترین غذا ہے۔

حل کے اقدامات

صحت کے بجٹ میں اضافہ اور دیہی مراکز کو فعال بنانا، ہر حاملہ خاتون کو قبل و بعد از زچگی طبی سہولیات فراہم کرنا، بچوں کی بروقت ویکسینیشن، خواتین کی تعلیم اور صحت سے متعلق شعور اجاگر کرنا، صفائی اور غذائیت کی آگاہی مہمات۔

سماجی کردار

میڈیا، تعلیمی ادارے اور سول سوسائٹی آگاہی مہمات، تحقیقاتی مضامین اور عوامی مباحث کے ذریعے اس مسئلے کو اجاگر کر سکتے ہیں، تاکہ پالیسی سازوں پر دباؤ بڑھایا جا سکے۔

چیلنج

(multi-dimensional) پاکستان میں ماں اور بچے کی صحت کا مسئلہ کثیر الجہتی ہے، جس کا تعلق صحت، تعلیم، معیشت اور انسانی حقوق سے ہے۔

جب تک ریاست اس مسئلے کو بنیادی انسانی حق کے طور پر تسلیم نہیں کرتی، بہتری کی امید محدود رہے گی۔

صحت مند ماں اور بچہ ہی ایک مضبوط، خوشحال اور باوقار معاشرے کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، اور یہی وہ ہدف ہے جس کے حصول کے لیے اجتماعی کوششیں ضروری ہیں۔

☆☆☆

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔ جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

نہ ہوگا بانس، نہ بجے گی بانسری:
سات ویمن کمیشن کی خالی آسامیوں کی ایک کہانی

شازیہ محبوب

پاکستان میں ایک ویمن کمیشن وفاقی سطح پر قائم ہے اور چار صوبائی پر۔ پھر گلگت بلتستان کا ویمن کمیشن علیحدہ ہے اور آزاد جموں کشمیر کا علیحدہ۔ یوں ملک میں کل سات کمیشن ہیں جن کا مقصد صنفی تفریق کو ختم کرنا اور ہر شعبہ میں ہر سطح پر خواتین کی شمولیت اور برابری کو یقینی بنانا ہے۔

لیکن ان سب کی ایک ہی کہانی ہے۔ کمیشن غیر فعال ہیں۔ اہم عہدے برسوں سے خالی ہیں۔

قومی کمیشن برائے وقار نسواں اسلام آباد میں تقریباً ڈیڑھ سال سے مستقل چیئرپرسن کی تعیناتی نہیں ہوسکی۔ نومبر 2024ء میں اُم لیلیٰ اظہر کو ایک ماہ کے لیے چیئرپرسن تعینات کیا گیا تھا جو اب تک بطور ایکٹنگ چیئرپرسن فرائض انجام دے رہی ہیں۔

پنجاب میں چیئرپرسن ویمن کمیشن فوزیہ وقار کی دوسری ٹرم مئی 2019ء میں معطل کر دی گئی تھی مگر ساڑھے چھ برس بعد بھی نئی تقرری عمل میں نہیں لائی گئی۔ صوبائی حکومت نے دو ماہ قبل نئی چیئرپرسن کے لیے درخواستیں طلب کی تھیں لیکن کوئی پیشرفت نظر نہیں آئی۔

خیبر پختونخوا میں کچھ بھی ایسی ہی صورت حال دکھائی دی۔ تین سال تک یہ ادارہ عبوری سربراہ کے ساتھ چلتا رہا جہاں گزشتہ سال کے آخر میں مستقل چیئرپرسن کا تقرر کیا جا سکا۔

سندھ خواتین کمیشن میں سابق چیئرپرسن نزہت شیرین کی 2023ء میں مدت مکمل ہونے کے بعد سے عہدہ خالی تھا اور عبوری ذمہ داریاں متعلقہ محکمے کے مرد افسر کو سونپی جاتی رہیں۔

تاہم رواں سال جنوری میں ایڈووکیٹ روبینہ امان بروہی کو چیئرپرسن مقرر کیا گیا جو اب فرائض انجام دے رہی ہیں۔

بلوچستان میں 2017ء میں کمیشن کا قیام عمل میں آیا مگر پانچ سال تک مستقل چیئرپرسن تعینات نہیں کی گئیں۔ 2022ء میں پہلی بار فوزیہ شاہین کا تقرر ہوا اور اب کرن بلوچ بطور چیئرپرسن کام کر رہی ہیں۔

جی بی میں خواتین کمیشن ابھی تک مکمل ہی نہیں ہو پایا۔ پہلے کمیشن کے قیام کا بل متنازع رہا، جی بی اسمبلی نے قانون منظور کیا تو گورنر کے پاس رک گیا۔ گلگت میں خواتین سے متعلق مرکزی رابطہ کار رقیہ عباس بتاتی ہیں کہ کمیشن پر قانون سازی مکمل ہو چکی ہے مگر سیاسی وجوہات کے باعث معاملہ آگے نہیں بڑھ رہا۔

آزاد جموں و کشمیر بھی ویمن کمیشن عبوری سربراہ کے ساتھ چل رہا ہے۔

'مستقل قیادت کے بغیر کمیشن اپنی سمت کھو دیتا ہے'

خاور ممتاز، قومی کمیشن برائے خواتین کی پونے سات سال (2012ء تا 2019ء) چیئرپرسن رہ چکی ہیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ ایکٹنگ چیئرپرسن چونکہ 30 روز سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکتا، اس لیے اسے ہر ماہ توسیع دے دی جاتی ہے۔ اسی اقدام سے ادارے کے متعلق حکومتی غیر سنجیدگی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"عبوری چیئرپرسنز کی قابلیت و کارکردگی سے انکار نہیں مگر ایڈہاک ازم کے باعث ان کی صلاحیتوں سے پوری طرح فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔"

سابق چیئرپرسن پنجاب خواتین کمیشن فوزیہ وقار کہتی ہیں کہ عبوری سربراہوں کے پاس نہ تو مکمل اختیارات ہوتے ہیں اور نہ ہی انہیں مطلوبہ وسائل فراہم کیے جاتے ہیں۔ نتیجتاً کمیشن کی حیثیت اور کارکردگی دونوں محدود ہو جاتی ہیں۔

مستقل قیادت کے بغیر کمیشن اپنی سمت کھو دیتا ہے، فیصلوں میں تاخیر ہوتی ہے اور سٹاف کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اسلام آباد میں قیادت کا خلا جی بی اور آزاد کشمیر کی خواتین پر بہت منفی اثر ڈال رہا ہے۔

واضح رہے جی بی و آزاد کشمیر کے کمیشنز کی نگرانی بھی قومی کمیشن کرتا ہے۔

پچھلے 25 سال کے دوران کئی خواتین بطور چیئرپرسن قومی کمیشن کام کر چکی ہیں لیکن بیشتر تعیناتیوں کے درمیان طویل وقفوں میں عبوری سربراہ آتے رہے۔ جب چارج کسی بیوروکریٹس کو دیا جاتا ہے تو کمیشن کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

قومی کمیشن کی موجودہ چیئرپرسن تقریباً ڈیڑھ سال سے بطور نگران کام کر رہی ہیں۔

خاور ممتاز کے بقول بار بار کی عبوری تقرریوں نے نہ صرف کمیشن کے تسلسل میں رکاوٹیں ڈالیں بلکہ ادارے کی ساکھ کو بھی کمزور کر دیا ہے۔

ویمنز کمیشنز کی فعالی حکومتوں کو پسند نہیں آتی

خواتین کمیشنز کی سابق چیئرپرسنز سمجھتی ہیں کہ خواتین کے اداروں اور حکومتوں کے درمیان مستقل کشمکش رہتی ہے۔ کمیشن جب بھی صنفی امتیاز اور خواتین کے حقوق سے متعلق عالمی برادری سے کیے گئے وعدوں کی عدم تکمیل پر سوال اٹھاتا ہے تو یہ بات اکثر حکومتوں کو پسند نہیں آتی۔

حکومتیں کمیشنز کی خودمختاری محدود کرنے کی کوشش کرتی ہیں، سفارشات کو نظرانداز کیا جاتا ہے اور ان کی راہ میں انتظامی، مالی و قانونی رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔

خاور ممتاز سمجھتی ہیں کہ کمیشن کے لیے واضح قواعد وضوابط اور شرائط کا تعین ہونا چاہیے۔ ایسے نگراں اداروں کا خودمختار ہونا ضروری ہے بصورت دیگر یہ غیر مؤثر ہو جاتے ہیں اور ان کا کام محض تعلیم، روزگار اور انصاف تک رسائی کی تجاویز دینا رہ جاتا ہے۔

آزاد کشمیر خواتین کمیشن کی سابق چیئرپرسن، ماریہ اقبال ترانہ کہتی ہیں کہ وہ مسلسل سیاسی انتقام کا شکار رہیں۔ 2016ء میں بطور چیئرپرسن انہیں دفتر تک نہیں ملا نہ ہی عملہ اور مالی وسائل فراہم کیے گئے۔

سابق چیئرپرسن قومی ویمن کمیشن نیلوفر بختیار بتاتی ہیں کہ پچھلے برسوں خیبر پختونخوا میں ایک خاتون کو چیئرپرسن تعینات کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو ان کے خلاف محاذ بن گیا۔ وہ عہدہ بھی نہ سنبھال سکیں اور بالآخر ان کی نامزدگی واپس لے لی گئی۔

وہ کہتی ہیں کہ اکثر چیئرپرسنز سیاسی بنیادوں پر تعینات کی جاتی ہیں جن کو خواتین کے مسائل کی فہم ہوتی ہے نہ ہی تجربہ ہوتا ہے۔ خواتین کمیشنز میں باصلاحیت بورڈ اور چیئرپرسن کی تقرری ناگزیر ہے۔

پاکستان گلوبل جینڈر انڈکس کے آخری نمبر پر کیسے پہنچا

خاور ممتاز کا کہنا تھا کہ تحفظ نسواں کے ادارے مسائل میں دھنسے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ انہیں کمیشن کے سروس رولز منظور کرانے میں پانچ سال لگے تھے۔ "اگرچہ حالات میں کچھ بہتری آئی ہے مگر فنڈز ملنے میں تاخیر، ریسرچ، لیگل اور فنانس جیسے شعبوں میں خالی اسامیوں سمیت کئی رکاوٹیں ہیں۔"

فوزیہ وقار کہتی ہیں کہ یہ صرف انتظامی نہیں، سیاسی مسئلہ بھی ہے۔ اداروں کو غیر مؤثر بنانا بظاہر ایک سوچا سمجھا عمل لگتا ہے۔ چاہیے تو یہ کہ کمیشنز کے سربراہوں کی کارکردگی کا جائزہ لے کر اداروں کو مضبوط بنائے مگر یہاں ایڈہاک ازم سے

انہیں مزید کمزور کیا جارہا ہے۔ یہ رویہ ترک کرنا ہوگا۔

فوزیہ وقار اور ماریہ اقبال ترانہ، صوبائی ویمن کمیشنز کو کسی وزارت یا محکمہ سماجی بہبود کے ماتحت کرنے کی سخت ناقد ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ محکمے کا کوئی مرد سربراہ کیسے خواتین کی تکالیف کو سمجھ سکتا ہے یا ان کا مؤثر حل نکال سکتا ہے؟ ویمن کمیشنز کو واقعی خود مختار بنانا ہوگا۔

ورلڈ اکنامک فورم کی رپورٹ کے مطابق گلوبل جینڈر گیپ انڈیکس 2025ء میں پاکستان نہ صرف ایشیا میں سب سے پیچھے ہے بلکہ 148 ممالک کی فہرست (اس میں افغانستان شامل نہیں) میں سب سے آخری نمبر پر براجمان ہے۔

سابق چیئرپرسن نیلوفر بختیار کا ماننا ہے کہ ویمن کمیشنز کے غیر فعال ہونے کی دو بڑی وجوہات ہیں، ایک حکومتی عدم توجہی اور دوسری خواتین کا سیاسی جماعتوں کے ایجنڈے میں شامل نہ ہونا ہے۔

'خواتین جب تک سیاسی جماعتوں میں متحرک کردار ادا نہیں کریں گی حکومت ان کمیشنز اور ان کے حقوق کو نظرانداز کرتی رہے گی۔'

چیئرپرسن قومی کمیشن کا تقرر کیسے ہوتا ہے؟

قانون کے مطابق اسلام آباد میں قومی کمیشن برائے وقار نسواں کا قیام وفاقی حکومت کی ذمہ داری ہے جو ایک چیئرپرسن اور 20 سے زائد ارکان پر مشتمل ہوتا ہے۔

کمیشن میں ہر صوبے سے دو رکن (کم از کم ایک خاتون ہونا ضروری ہے)، آزاد کشمیر، جی بی، اسلام آباد اور اقلیتوں میں سے ایک ایک خاتون نامزد کی جاتی ہے۔ وزارتِ قانون، خزانہ، خارجہ امور، داخلہ اور ترقی خواتین کا ایک ایک نمائندہ شامل ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ ہر صوبائی خواتین کمیشن کی چیئرپرسن یا ان کا نامزد رکن بھی قومی کمیشن کا حصہ ہوتے ہیں۔

کمیشن کی چیئرپرسن کے تقرر کا طریقہ کار چیئرمین نیب یا چیف الیکشن کمشنر کی تعیناتی جیسا ہوتا ہے۔

قانون کے تحت وفاقی حکومت موزوں امیدواروں کی فہرست وزیرِاعظم اور اپوزیشن لیڈر کو ارسال کرے گی۔ وزیرِاعظم اور اپوزیشن لیڈر میں اتفاقِ رائے نہ ہونے کی صورت میں تین نام یا دونوں کی علیحدہ علیحدہ فہرست پارلیمانی کمیٹی کو ارسال کی جائے گی۔

پارلیمانی کمیٹی سپیکر قومی اسمبلی تشکیل دیں گے جس میں نصف حکومتی اور نصف اپوزیشن ارکان سے ہوں گے۔ اس زیادہ سے زیادہ 12 رکنی کمیٹی میں ایک تہائی سینیٹرز شامل ہوں گے۔ یہ کمیٹی جس امیدوار کی توثیق کرے گی، وزیرِاعظم اسی کو تین سال کے لیے چیئرپرسن مقرر کرے گا۔

قانون کے تحت چیئرپرسن کی وفات، بیماری، استعفیٰ یا کسی اور وجہ سے عہدہ خالی ہونے کی صورت میں وزیرِاعظم کی طرف سے کمیشن کے ارکان میں سے کسی خاتون کو قائم مقام (ایکٹنگ) چیئرپرسن مقرر کیا جاتا ہے جس کی زیادہ سے زیادہ مدت 30 روز مقرر کی گئی ہے۔

صوبائی ویمن کمیشنز متعلقہ صوبوں کے قوانین کے تحت کام کرتے ہیں۔ چیئرپرسن کی تعیناتی کے لیے سندھ میں طریقہ کار قومی کمیشن جیسا ہے جبکہ پنجاب سمیت دیگر صوبوں میں مختلف ہے۔ صوبوں میں عبوری چیئرپرسن کی مدت تین ماہ (سندھ میں ایک ماہ) تک رکھی گئی ہے۔

یہ کمیشن وفاقی حکومت نے خواتین کے حالات بہتر بنانے کے لیے عالمی برادری سے کیے گئے وعدوں/ معاہدوں (پروٹوکولز) کے تحت قائم کیے تھے۔

وفاقی کمیشن پہلے 2000ء میں صدارتی آرڈیننس کے ذریعے تشکیل دیا گیا اور پھر 2012ء میں اس کے لیے باضابطہ قانون سازی کی گئی۔

اس کمیشن کے اختیارات و فرائض میں صنفی مساوات، انصاف کی فراہمی، خواتین کو بااختیار بنانے، سیاسی نمائندگی کے لیے حکومتی پالیسیوں و اقدامات کا جائزہ لینے سے لے کر خواتین کے حقوق کی خلاف ورزیوں کی شکایات کی تحقیقات، مدد اور ازالہ تک شامل ہے۔

اس ادارے کو جیلوں اور حراستی مراکز میں خواتین و بچیوں کے حالات کا معائنہ کرنے، بچیوں کی تعلیم، ترقی، روزگار اور انصاف تک رسائی کے لیے اقدامات کے اختیارات حاصل ہیں۔ قومی کمیشن صوبائی کمیشنوں اور دیگر متعلقہ تنظیموں سے بھی رابطہ رکھتا ہے۔

اٹھارویں آئینی ترمیم کے بعد صوبوں میں خواتین کمیشن بنانے کے لیے علیحدہ علیحدہ قانون سازی کی گئی اور یوں ایک قومی کمیشن کی بجائے خواتین کے تحفظ کے لیے ملک میں سات خواتین کمیشن وجود میں آ گئے جو ایک مثبت اقدام تھا۔

ان میں قومی کمیشن کے علاوہ پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا، بلوچستان، آزاد جموں و کشمیر اور گلگت بلتستان کے کمیشنز شامل ہیں۔

(بشکریہ لوک سجاگ)

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،
نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے
ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:
www.hrcp-web.org

5 خواتین ریاستی نظام کی بھینٹ چڑھ گئیں

رحیم یار خان مورخہ 6 مارچ کو رحیم یار خان کے نواحی علاقہ چک نمبر 125 پی میں بےنظیر انکم سپورٹ پروگرام کے تحت ملنے والی قسط کی رقم کی تقسیم کے دوران چھت گرنے سے 5 خواتین ہلاک اور 55 زخمی ہوئیں۔ بےنظیر بھٹو کی شہادت کے بعد کی حکومت نے خواتین کی معاشی وسماجی حالت کو سدھارنے کیلئے قومی سطح کا ایک پروگرام شروع کیا جس کے ذریعے اب تقریباً ایک کروڑ غریب پسے ہوئے طبقے کی خواتین مالی امداد حاصل کر رہی ہیں۔ بےنظیر انکم سپورٹ پروگرام سے خواتین کی بہتری کیلئے کئی سکیمیں موجود ہیں اور غریب خواتین ان سکیموں سے مستفید ہو رہی ہیں مگر خواتین تک مالی امداد پہنچانے کیلئے ایسا نظام وضع نہیں کیا جاسکا جس سے وہ آسانی سے رقم حاصل کریں اور اُن کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو۔ شروع شروع میں خواتین تک پوسٹ آفس کے ذریعے منی آڈرز کر کے رقم ان کے گھر تک بھیجی جاتی جس سے خواتین مطمئن تھیں مگر نہ جانے کس کے مشورہ سے پوسٹ آفس کی بجائے ٹیلی نار فرنچائز اور بعد ازاں حبیب بینک لمیٹڈ کے سہولت مراکز سے خواتین کو رقم منتقلی کی جا رہی ہے۔ اس نظام سے رقم منتقل کرنے کے عمل سے حکومت کو چار جز کی مدد میں زیادہ رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔ دوسرا، بینک پرائیوٹ ریٹیلرز کے ذریعے خواتین کو بائیو میٹرک کے پراسس سے رقم دیتے ہیں جو کہ پیچیدہ طریقہ کار کے ساتھ بینیفشری خواتین کیلئے تکلیف کا سبب ہے۔ ان ریٹیلرز کے پاس چھوٹی چھوٹی دکانیں یا کھوکھے ہیں جہاں خواتین کے بیٹھنے کا انتظام تو دور کھڑا ہونے کی جگہ بھی نہیں ملتی۔ ان جگہوں پر تیز دھوپ سے بچنے کے لیے سایہ بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی ریٹیلرز پینے کے پانی کا انتظام کرتے ہیں بلکہ قسط وصول کرنے والی خواتین کو کئی کئی گھنٹے کھڑا رہنا پڑتا ہے اور اگر کوئی خاتون اس ناانصافی پر بات کرے تو اسے دھمکی دی جاتی ہے کہ چلی جاؤ کہیں اور سے رقم لے لو۔ ان رقم وصول کرنے والی خواتین کے ساتھ ریٹیلرز کی سب سے بڑی ناانصافی رقم کی کٹوتی ہے جو عموماً ایک ہزار سے پندرہ سو روپے تک وصول کی جاتی ہے۔ اگر کوئی خاتون رقم نہ دے یا افسران کو شکایت کا بولے تو اسے ہراساں کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تیری رقم بند کر دیں گے۔ اکثر ایسی خواتین کے اکاؤنٹ کو بار بار غلط کمانڈ دے کر بلاک کر دیا جاتا ہے، پھر اگلی قسط پر اس عورت کو دفتری چکر لگانے پڑتے ہیں۔ پہلے پہل تو اسے پتہ نہیں چلتا کہ اس کے ساتھ ہاتھ ہو گیا ہے۔ ریٹیلرز اس سے مزید رشوت لیکر کہتا ہے کہ اب اگلی بار تیری قسط آئے گی۔ اس طرح کئی سالوں سے یہ خواتین ان کے ہاتھوں مجبور ہو کر کٹوتی کروا رہی ہیں۔ حکومتی ادارے بی ایس پی کے اہلکار ان ریٹیلرز کے ساتھ ملے ہوئے ہیں بلکہ یہ اہلکار بھی سروے کے نام نامنظور ہونے کے نام پہ ان خواتین کو لوٹنے میں مصروف ہیں۔ ان ڈیوائس مافیا کے خلاف حکومتی سطح پر جتنی کوششیں ہوئیں وہ کارگر ثابت نہیں ہوئیں بلکہ یہ کارندے ان بیوہ، مفلس، بے سہارا خواتین کو ملنے والی امداد کی کٹوتی میں حسب منشا اضافہ کر رہے ہیں اگر سہولت فراہم کرنے والوں کی سوچ میں کچھ ایسا ہوتا کہ شہریوں کی عزت نفس کا احترام، احساس کا ذرہ سا بھی خیال ہوتا تو رقم جدید طریقہ ہائے نظام یعنی جاز کیش، ایزی پیسہ یا اے ٹی ایم کے ذریعے منتقل کی جاتیں مگر حکومت بھی اپنی تشہیر کے لیے فیصلہ کرتی ہے کہ سب کو پتہ چلے کہ حکومت امداد فراہم کر رہی ہے۔ حکومت کو کیا پروا کہ یہ غریب خواتین بھی باعزت شہری ہیں۔ انہیں تپتی دھوپ اور سردی سے محفوظ ماحول فراہم کرنا حکومتی ذمہ داری ہے مگر سوشل سائنس سے نا آشنا حکمران چاہتے ہیں کہ بارش میں بھیگتی عورت کا امداد وصول کرتے ہوئے تماشا لگے۔ آزاد اور خودمختار لوگ حکمران طبقے کیلئے سب سے بڑا خطرہ ہوتے ہیں جو کسی بھی وقت خواب غفلت سے بیدار ہو سکتے ہیں۔ یہ ذہنی غلام بنانے کے حکومتی حربے ہیں تاکہ لوگوں کو اسی دھندے میں مصروف رکھیں۔ عزت نفس سے کھیلنے والے حکمرانو! جس طرح اور جس طریقے سے یہ معمولی رقم ادا کی جاتی ہے وہ انتہائی ہتک آمیز اور شرمناک ہے۔

پنجاب کی وزیر اعلیٰ مریم نواز شریف اگر کسانوں، امام مساجد و دیگر اسکیموں کیلئے اے ٹی ایم کارڈ بنا کر معزز طریقے سے ادائیگی کر سکتی ہیں تو بےنظیر انکم سپورٹ پروگرام کے مستحقین کی اتنی بڑی تعداد کیلئے ایسا کیوں نہیں کر سکتیں تاکہ عورتیں ذلت سے بچ سکیں۔

اگر حکومت جاری قسط رمضان المبارک کے شروع میں جاری کر دیتی تو اس قدر رش نہ پڑتا۔ یہ حادثہ نہ ہوتا اور خوشیوں کے دنوں میں ماتم کا سماں نہ ہوتا۔ دوسرا، ان ڈیوائس مافیا نے زیادہ سے زیادہ کٹوتی کرنے کے چکر میں یہ افواہ اڑا دی کہ عید کے بعد رقم نہیں ملے گی۔ اب عیادت اور تعزیت کرنے سے ان غریب مستحق خواتین کو کچھ فائدہ نہیں ہونا۔ وفات پانے والی خواتین اپنے گھر اور بچوں کیلئے روزی کا ذریعہ تھیں اور روزی کے حصول کیلئے وہ شہید ہوئیں۔ حکومت نے وفات پانے والی خواتین کیلئے 10 لاکھ روپے اور زخمیوں کے لیے 3 لاکھ روپے کا اعلان کیا مگر کچھ عرصہ پہلے لاہور میں گٹر میں گر کر فوت ہونے والی عورت اور بچی کیلئے میڈیا پر بڑا چرچہ ہوا، افسران معطل ہوئے، انکوائری ہوئی اور فوت ہونے والے خاندان کیلئے سرائیکی وسیب کی فوت ہونے والی خواتین سے زیادہ امداد کا اعلان ہوا۔ اتنی ناانصافی آپ کیسے کر سکتے ہیں؟ سوال تو بنتا ہے۔

(خواجہ اسد اللہ)

سیاہ کاری کے جھوٹے الزامات: خواتین کے خلاف ظلم کی ایک اور داستان

کراچی گھوٹکی کے نواحی گاؤں کھروہی میں خواتین کے ساتھ ایک نیا ظلم جاری ہے۔ یہاں شادی شدہ خواتین پر سیاہ کاری کے جھوٹے الزامات لگا کر انہیں گھر سے نکال دیا جاتا ہے اور پھر جرگے کے ذریعے لاکھوں روپے وصول کیے جاتے ہیں۔

سنجیاں کی دردناک کہانی: کھروہی کی مکین سنجیاں کو محض شادی کے سات روز بعد سیاہ کاری کے الزام میں واپس والدین کے گھر بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد زیر الزام شخص میاں بخش سے ایک جرگے کے ذریعے ان کے شوہر کو سات لاکھ روپے جرمانہ کی رقم دلوائی گئی۔

سنجیاں کا کہنا ہے: میں شادی کے کپڑوں میں ہی تھی کہ مجھ پر الزام لگا کر گھر سے نکال دیا گیا۔ میری شادی کو ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ میرے شوہر نے مجھ پر سیاہ کاری کا الزام لگا دیا۔ میں نے اس وقت شادی کا جوڑا پہنا ہوا تھا اور ہاتھوں پر مہندی بھی لگی ہوئی تھی۔ بہت دکھ ہوا، سوچا کہ یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا۔ انہوں نے مزید کہا: بعد میں جرگہ کیا گیا اور جرگے نے زیر الزام شخص سے سات لاکھ روپے جرمانہ لے کر میرے شوہر کو دیے۔ ہمارے گاؤں کھروہی میں بہت ساری خواتین ہیں جو اس ظلم کا شکار ہو چکی ہیں۔ یہ معمول بن گیا ہے۔ الزام کے بعد خواتین کے شوہروں کو جرمانے کے طور پر پیسے دلوائے جاتے ہیں۔

صرف سنجیاں ہی نہیں: کھروہی میں صرف سنجیاں ہی نہیں، اس گاؤں کی کئی ایسی خواتین ہیں جو سیاہ کاری کے الزام میں گھر سے بے دخل ہو چکی ہیں۔ کھروہی کی عاصمہ اور نادیہ بھی اسی الزام کا شکار ہوئیں۔ عاصمہ کا کہنا ہے: ''میری شادی کو صرف ایک برس ہوا تھا کہ مجھ پر سیاہ کاری کا الزام لگا دیا گیا۔ پھر جرگہ کیا گیا۔ سنا ہے جرگہ کرنے والوں پر شاید مقدمہ درج کیا گیا ہے لیکن جس نے الزام لگایا، اس کے خلاف تو کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔'' انہوں نے بتایا کہ ان کے شوہر نے بھی جرگہ کے ذریعے سات لاکھ روپے لیے۔ نادیہ کا کہنا ہے: میری شادی کے دو سال بعد مجھے سیاہ کاری کا الزام لگا کر گھر سے نکال دیا گیا۔ میرا ایک کمسن بیٹا تھا، وہ بھی چھین لیا گیا۔ میرے شوہر کچھ بھی نہیں کرتے تھے۔ دونوں خواتین کا کہنا ہے کہ وہ بے بس ہیں، کچھ نہیں کر سکتیں۔ ان کے شوہروں نے محض پیسوں کے لالچ میں ان پر الزام عائد کیا۔ انہوں نے کہا کہ جرگہ کرنے والوں میں سے کسی کا نام نہیں بتا سکتیں کیونکہ جرگہ کرنے والے بااثر ہیں اور وہ انہیں قتل کروا دیں گے۔

(بشکریہ وائس ڈاٹ پی کے)

نوجوانوں کے رویے اور اقدار پر سوشل میڈیا کے اثرات

میمونہ سحر

ایک اور بڑھتا ہوا مسئلہ ہے، لائیو سٹریمنگ پلیٹ فارمز اور سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس کا غلط استعمال

سوشل میڈیا جدید دور میں روزمرہ کی زندگی کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔ یہ معلومات تک فوری رسائی فراہم کرتا ہے۔ یہ نوجوانوں کے رویے اور سیکھنے، بیداری اور تفریح کے لیے بے شمار مواقع فراہم کرتا ہے۔ انسٹاگرام، فیس بک، یوٹیوب اور دیگر پلیٹ فارمز نے لوگوں کے لیے سیکنڈوں میں جڑنے اور باخبر رہنا آسان بنا دیا ہے۔ تاہم، ان فوائد کے باوجود، سوشل میڈیا کے بہت زیادہ اور غلط استعمال نے خاص طور پر نوجوانوں میں کئی سنگین اثرات پیدا کیے ہیں۔

سوشل میڈیا کی لت سب سے اہم مسائل میں سے ایک ہے۔ بہت سے نوجوان اپنے فون پر ضرورت سے زیادہ گھنٹے گزارتے ہیں، اکثر رات گئے، جس کے نتیجے میں نیند میں خلل پڑتا ہے اور ان کی صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس سے تھکاوٹ، کمزور ارتکاز، پیداواری صلاحیت میں کمی، تعلیمی کارکردگی میں کمی، اور آخر کار سوشل میڈیا پر انحصار پیدا ہوتا ہے جہاں افراد سوشل میڈیا کے بغیر بے چینی محسوس کرتے ہیں۔

نقصان دہ مواد سوشل میڈیا پر ایک اور بڑی تشویش ہے، کیونکہ بہت سے نوجوان انتقام پر مبنی موسیقی، تاریک تھیمز اور ایسی فلموں کی طرف راغب ہو رہے ہیں جو جرائم اور تشدد کی تعریف کرتی ہیں۔ ان چیزوں سے سبق سیکھنے کے بجائے وہ ایسے کرداروں کی تعریف کرنے اور ان کو مثالی بنانا شروع کر دیتے ہیں، مثبت رول ماڈل کی پیروی کرنے کے بجائے طاقت اور باغیانہ رویے کے ساتھ دلچسپی پیدا کرتے ہیں۔

وہ جارحیت، تشدد اور غیر اخلاقی رویے کو معمول پر لانے لگتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر وہ جذباتی حساسیت کھو دیتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ کم ہمدردی ظاہر کرنے لگتے ہیں۔ وہ سماجی مسائل، انسانی مصائب اور کمیونٹی یا قوم کو درپیش چیلنجوں سے لاتعلق ہو سکتے ہیں۔ یہ جذباتی لاتعلقی ایک سنگین تشویش ہے۔

سوشل میڈیا گیمز رویے کے مسائل میں بھی حصہ ڈالتی ہیں۔ بہت سی آن لائن گیمز ان خصوصیات کے ساتھ ڈیزائن کی گئی ہیں جو مسلسل مشغولیت، مسابقت اور جارحیت کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ کچھ گیمز میں پرتشدد منظر نامے شامل ہوتے ہیں جو نوجوان ذہنوں کو متاثر کر سکتے ہیں، خاص طور پر جب ضرورت سے زیادہ کھیلا جائے۔ وقت گزرنے کے ساتھ، اس طرح کی نمائش مایوسی، جارحانہ رویے اور چڑچڑے پن کو بڑھا سکتی ہیں۔ انتہائی صورتوں میں، افراد مجازی حقیقت اور حقیقی زندگی کے نتائج کے درمیان فرق نہیں کر پاتے جس سے ان کے فیصلہ سازی اور سماجی تعلقات متاثر ہوتے ہیں۔

ایک اور بڑھتا ہوا مسئلہ ہے، لائیو سٹریمنگ پلیٹ فارمز اور سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس کا غلط استعمال ہے۔ بظاہر، یہ پلیٹ فارم مواصلات اور مواد کے اشتراک کے لیے ہیں، جو بعض اوقات غیر ذمہ داری کے ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں۔ نوجوان صارفین نامناسب گفتگو میں مشغول ہو سکتے ہیں، غیر صحت مند یا غیر قانونی تعلقات قائم کر سکتے ہیں، یا آن لائن استحصال کا شکار ہو سکتے ہیں۔ گمنامی اور آزادی کا وہم اکثر افراد کو ذاتی معلومات کا اشتراک کرنے یا کمزور لمحات میں غلط فیصلے کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ ان اعمال کے نتیجے میں سماجی شرمندگی، جذباتی پریشانی اور طویل مدتی نفسیاتی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

سوشل میڈیا دماغی صحت پر منفی اثر ڈال سکتا ہے، ڈپریشن، اضطراب، خود اعتمادی کا فقدان، اور جذباتی عدم توازن کی وجہ سے مسلسل موازنہ، کیوریٹڈ مواد کی نمائش، غیر حقیقی توقعات، بعض اوقات خود کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

اس منظر نامے میں، حکومت کو نقصان دہ مواد پر قابو پانے، ڈیجیٹل خواندگی کو فروغ دینے، ٹیکنالوجی کی کمپنیوں کے ساتھ تعاون کرنے، اور سوشل میڈیا کے محفوظ اور ذمہ دارانہ استعمال کو یقینی بنانے کے لیے سائبر قوانین کو نافذ کرنے کے لیے تمام ضروری اقدامات کیے جائیں۔

والدین کو اہم کردار ادا کرنا ہوگا کیونکہ وہ سوشل میڈیا کے استعمال پر نظر رکھنے، صحت مند عادات کو فروغ دینے، اور مضبوط اخلاقی اقدار اور مواصلات کے ساتھ بچوں کی بہتر رہنمائی کر سکتے ہیں۔ اساتذہ نے اخلاقی نشوونما پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے، سوشل میڈیا کے ذمہ دارانہ استعمال کی رہنمائی، اور تعلیم، بیداری کے پروگراموں اور رول ماڈلنگ کے ذریعے ایک معاون ماحول پیدا کر کے کردار کی تشکیل بھی کی ہے۔

نوجوانوں کو خود نظم و ضبط کی مشق، مثبت مواد کا انتخاب، وقت کا دانشمندی سے استعمال اور اپنی ذہنی، جذباتی اور اخلاقی تندرستی کی حفاظت کے لیے تنقیدی سوچ کا استعمال کر کے اپنی کردار سازی کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے۔ حکومتوں، ماہرین تعلیم، کمپنیوں اور اثر و رسوخ کے درمیان اشتراک کے ذریعے سوشل میڈیا پر آگاہی کے پروگرام ہونے چاہئیں۔ اس طرح ڈیجیٹل حفاظت، صحت مند آن لائن رویے اور ذمہ دارانہ استعمال کو فروغ سے منفی اثرات کو کم کر سکتا ہے۔

آخر میں، سوشل میڈیا ایک طاقتور آلہ ہے جو مواقع اور چیلنجز دونوں پیش کرتا ہے۔ یہ جدید دنیا میں نوجوانوں کے رویے اور اقدار سازی کا سب سے طاقتور ذریعہ ہے۔ اگرچہ یہ مواصلات، علم کے تبادلے، آگاہی، تعلیم اور عالمی رابطے کے حوالے سے بے شمار فوائد پیش کرتا ہے، لیکن اس کے منفی اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ نقصان دہ مواد، پرتشدد تفریح، اور غیر حقیقت پسندانہ طرز زندگی کی مسلسل نمائش نے نوجوانوں کے سوچنے کے انداز، رویوں اور اخلاقی اقدار کو نمایاں طور پر متاثر کیا ہے۔ سوشل میڈیا کا غلط استعمال سنگین سماجی، جذباتی اور اخلاقی مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔ جیسے جیسے نوجوان اس طرح کے مواد کے عادی بن جاتے ہیں، وہ اپنی ہمدردی، سماجی بیداری اور ذمہ داری کا احساس کھو دیتے ہیں۔ جارحیت، غیر اخلاقی رویے اور غیر ذمہ دارانہ آزادی کو معمول پر لانے سے کردار میں زوال آتا ہے اور صحت مند معاشرے کی بنیاد کمزور ہوتی ہے۔ سوشل میڈیا نہ صرف انفرادی شخصیات کو بلکہ اجتماعی اقدار کو بھی متاثر کرتا ہے، بالآخر قوم کی ترقی اور ہم آہنگی کو متاثر کرتا ہے۔ قوم کے بہتر مستقبل کے لیے نوجوانوں کو اسے متوازن اور ذمہ دارانہ انداز میں استعمال کرنا چاہیے۔

اسی طرح والدین، حکومت، اساتذہ اور خود نوجوان، سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر آگاہی کے پروگرام صارفین کی سوشل میڈیا سائٹس یا ایپلی کیشنز کے استعمال کے حوالے سے مثبت رویے کی طرف رہنمائی کرنے میں نمایاں مدد کر سکتے ہیں۔ اجتماعی ذمہ داری اور مسلسل آگاہی کے ذریعے، معاشرہ اس بات کو یقینی بنا سکتا ہے کہ سوشل میڈیا نقصان پہنچانے کے بجائے ترقی کا ذریعہ بنے، جس سے مستقبل کی نسل مضبوط اور پہلے سے زیادہ ذمہ دار ہو۔

سال 2025 کے دوران سندھ میں خواتین کی صورتحال پر ہاری ویلفیئر ایسوسی ایشن کا تحقیقی جائزہ

آصف البشر خان

سندھ کے دیہی علاقوں میں خواتین کی صورتحال پر ہاری ویلفیئر ایسوسی ایشن کی جانب سے خواتین کے عالمی دن 2026 کے موقع پر پیش کی گئی تحقیقاتی رپورٹ ایک گہرے انسانی المیے کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ رپورٹ واضح کرتی ہے کہ دیہی خواتین، جو معیشت اور سماج دونوں کی بنیاد سمجھی جاتی ہیں، خود بنیادی انسانی حقوق سے محرومی، سماجی ناانصافی اور ریاستی عدم توجہی کا شکار ہیں۔

رپورٹ کے مطابق سندھ کے دیہی علاقوں میں تقریباً ڈیڑھ کروڑ خواتین آباد ہیں، جو زراعت، مویشی بانی، ماہی گیری اور گھریلو معیشت میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کی اکثریت نہ صرف قانونی شناخت سے محروم ہے بلکہ انہیں سماجی تحفظ، صحت، تعلیم اور منصفانہ اجرت جیسے بنیادی حقوق بھی حاصل نہیں۔ یوں یہ خواتین معیشت کا حصہ ہونے کے باوجود ریاستی اور معاشی نظام میں ایک غیر مرئی وجود بن کر رہ گئی ہیں۔

انسانی حقوق کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ صورتحال نہ صرف آئینِ پاکستان میں دیے گئے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے بلکہ بین الاقوامی اصولوں سے بھی متصادم ہے، جو خواتین کو مساوی مواقع، تحفظ اور وقار کے ساتھ زندگی گزارنے کا حق دیتے ہیں۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان حقوق کو یقینی بنائے، مگر عملی طور پر یہ ذمہ داریاں پوری ہوتی نظر نہیں آتیں۔

رپورٹ میں سال 2025 کے دوران خواتین کے خلاف تشدد کے اعداد و شمار نہایت تشویشناک قرار دیے گئے ہیں۔ صرف ایک سال میں 771 کیسز رپورٹ ہوئے، جن میں 300 قتل کے واقعات شامل ہیں، جبکہ 86 خواتین کو نام نہاد غیرت کے نام پر قتل کیا گیا۔ اسی عرصے میں 93 خواتین زیادتی کا شکار ہوئیں، 121 اغواء کے واقعات پیش آئے اور 129 خواتین کی خودکشی کی اطلاعات سامنے آئیں۔ یہ اعداد و شمار نہ صرف ایک سنگین سماجی بحران کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ خواتین کے خلاف تشدد انفرادی نہیں بلکہ ایک منظم اور ساختی مسئلہ بن چکا ہے، جس میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کمزوری، سماجی رویے اور عدالتی نظام کی سست روی شامل ہیں۔

معاشی میدان میں بھی دیہی خواتین شدید استحصال کا شکار ہیں۔ وہ روزانہ آٹھ سے دس گھنٹے تک کام کرنے کے باوجود محض پانچ سو سے سات سو روپے اجرت حاصل کرتی ہیں، جبکہ موسمی زرعی کاموں کے عوض انہیں تقریباً پانچ ہزار روپے ماہانہ دیے جاتے ہیں۔ ان کے لیے نہ کوئی تحریری معاہدہ ہوتا ہے اور نہ ہی انہیں مزدور کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ صورتحال مساوی کام کے بدلے مساوی اجرت کے

رپورٹ میں سال 2025 کے دوران خواتین کے خلاف تشدد کے اعداد وشمار نہایت تشویشناک قرار دیے گئے ہیں۔ صرف ایک سال میں 771 کیسز رپورٹ ہوئے، جن میں 300 قتل کے واقعات شامل ہیں، جبکہ 86 خواتین کو نام نہاد غیرت کے نام پر قتل کیا گیا۔ اسی عرصے میں 93 خواتین زیادتی کا شکار ہوئیں، 121 اغواء کے واقعات پیش آئے اور 129 خواتین کی خودکشی کی اطلاعات سامنے آئیں۔ یہ اعداد وشمار نہ صرف ایک سنگین سماجی بحران کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ خواتین کے خلاف تشدد ایک انفرادی نہیں بلکہ ایک منظم اور ساختی مسئلہ بن چکا ہے، جس میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کمزوری، سماجی رویے اور عدالتی نظام کی سست روی شامل ہیں۔

عالمی اصول کی کھلی خلاف ورزی ہے اور خواتین کو معاشی طور پر کمزور رکھنے کا سبب بنتی ہے۔

جبری مشقت کا مسئلہ بھی اس خطے میں شدت سے موجود ہے۔ رپورٹ کے مطابق سال 2024 میں 1012 افراد کو جبری مشقت سے رہائی دلائی گئی، جبکہ 2013 سے 2024 کے دوران مجموعی طور پر 13128 افراد کو آزاد کروایا گیا، جن میں خواتین اور بچوں کی بڑی تعداد شامل ہے۔ یہ اعداد و شمار اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ جبری مشقت آج بھی انسانی حقوق کا سنگین مسئلہ ہے، جس کے خاتمے کے لیے کیے گئے اقدامات ناکافی ثابت ہو رہے ہیں۔

قانون سازی کے باوجود عملدرآمد کا فقدان ایک بڑا مسئلہ ہے۔ سندھ بانڈڈ لیبر سسٹم ابولیشن ایکٹ 2015، سندھ ٹیننسی ایکٹ 1950 اور سندھ ویمن ایگریکلچر ورکرز ایکٹ 2019 جیسے قوانین موجود ہونے کے باوجود ان پر مؤثر عملدرآمد نہیں ہو رہا۔ ضلعی ویجیلنس کمیٹیاں غیر فعال ہیں اور پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ادارہ جاتی نظام کمزور ہے، جس کے باعث خواتین قانونی تحفظ سے محروم رہتی ہیں۔

تعلیم کے شعبے میں بھی صورتحال نہایت تشویشناک ہے، جہاں 55 فیصد سے زائد دیہی خواتین تعلیم تک رسائی نہیں رکھتیں۔ لڑکیوں کے اسکولوں کی کمی، خواتین اساتذہ کی قلت اور سماجی و ثقافتی رکاوٹیں اس کی بڑی وجوہات ہیں۔ تعلیم سے محرومی خواتین کو نہ صرف معاشی مواقع سے دور رکھتی ہے بلکہ انہیں اپنے حقوق سے بھی لاعلم رکھتی ہے، جس کے باعث ان کا استحصال مزید بڑھ جاتا ہے۔

صحت اور غذائیت کے حوالے سے بھی دیہی خواتین کو شدید مسائل کا سامنا ہے۔ صحت کی بنیادی سہولیات تک رسائی محدود ہے، غذائی قلت عام ہے اور زچگی و تولیدی صحت کے مسائل سنگین صورت اختیار کر چکے ہیں۔ یہ تمام عوامل خواتین کی زندگی کے معیار اور ان کی مجموعی فلاح و بہبود پر منفی اثر ڈالتے ہیں۔ دیہی خواتین کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں نہ صرف معاشی اور تعلیمی میدان میں بلکہ سماجی سطح پر بھی صنفی امتیاز کا سامنا ہے۔ انہیں فیصلہ سازی کے عمل میں شامل نہیں کیا جاتا اور ثقافتی روایات ان کی آزادی کو محدود کرتی ہیں۔

اس طرح وہ ایک ایسے معاشرتی ڈھانچے میں زندگی گزار رہی ہیں جہاں انہیں دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے۔ خواتین نمائندگان نے اس صورتحال کے حل کے لیے واضح مطالبات پیش کیے ہیں، جن میں ہنر مندی کے پروگرام، تعلیم اور صحت تک رسائی، قانونی تحفظ اور معاشی خودمختاری شامل ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ خواتین کے مسائل کو خیراتی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ بااختیار بنانے کی پالیسی کے تحت حل کیا جائے۔

یہ تحقیق اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ سندھ کی دیہی خواتین ایک کثیر جہتی بحران کا شکار ہیں، جہاں معاشی استحصال، سماجی ناانصافی، قانونی کمزوری اور تشدد ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ خواتین کو بااختیار بنانا محض ترقی کا نعرہ نہیں بلکہ بنیادی انسانی حق ہے۔ جب تک ریاست، سماج اور پالیسی ساز سنجیدگی سے اقدامات نہیں کرتے، اس بحران کا حل ممکن نہیں اور پائیدار ترقی کا خواب ادھورا ہی رہے گا۔

خاموشی جرم ہے

خفیہ اداروں کی نظریں اب عامر کی تلاش میں تھیں

نعمان یاور

باب 1: گرمیوں کی ایک بوجھل رات تھی۔ شہر کی فضا میں گرمی ایسے پھنسی ہوئی تھی جیسے کسی نے وقت کو روک دیا ہو۔ عامر اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ستارے خاموشی سے چمک رہے تھے اور نیچے شہر اپنی تھکی ہوئی سانسوں کے ساتھ زندہ رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شہر کی گلیوں میں روشنی تو تھی، مگر امید کم تھی۔ کہیں رکشوں کی آوازیں تھیں، کہیں دور کسی چائے کے کھوکھے پر بیٹھے لوگوں کی مدھم گفتگو۔ مگر اس شور کے پیچھے ایک خاموش جمود تھا۔

عامر نے بچپن سے اس شہر کے دو چہرے دیکھے تھے۔ ایک وہ جہاں بلند دیواروں کے پیچھے خوشحالی تھی، اور دوسرا وہ جہاں کچی بستیوں میں بھوک اور محرومی نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ یہ تضاد اس کے دل میں سوال بن کر ابھرتا رہتا تھا۔ اور آج انہی سوالوں نے اسے ستاروں کے نیچے لا بٹھایا تھا۔

باب 2: یونیورسٹی عامر کی زندگی کا وہ موڑ ثابت ہوئی جہاں اس کے اندر چھپی بے چینی نے شکل اختیار کی۔ وہاں اس نے پہلی بار ایسے لوگوں کو دیکھا جو کھل کر سوال کرتے تھے۔ وہ طلبہ کی نشستوں میں شامل ہونے لگا، مباحثوں میں حصہ لینے لگا اور آہستہ آہستہ احتجاجی تحریکوں کا حصہ بن گیا۔

جلوس نکلتے، نعرے لگتے، اور عامر کی آواز بھی ان آوازوں میں شامل ہو جاتی۔ اس نے اخبارات میں مضامین لکھنے شروع کیے۔ اس کے الفاظ تیز اور سچے تھے۔ مگر سچ ہمیشہ آسان نہیں ہوتا۔ جلد ہی اس نے محسوس کیا کہ ہر سچ کے مقابلے میں ایک طاقت کھڑی ہوتی ہے جو اسے دبانے کی کوشش کرتی ہے۔

باب 3: حکومت اختلاف برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی۔ جو سوال کرتا، اس پر الزام لگا دیا جاتا۔ جو لکھتا، اس کی آواز بند کرنے کی کوشش کی جاتی۔ ایک دن عامر کے ایک قریبی دوست کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر الزام تھا کہ وہ ریاست کے خلاف لوگوں کو بھڑکا رہا تھا۔

یہ واقعہ عامر کے لیے ایک جھٹکا تھا۔ بہت سے لوگ پیچھے ہٹنے لگے۔ کچھ نے خاموشی اختیار کر لی۔ شہر میں خوف کی ایک دیوار کھڑی ہو چکی تھی۔ مگر عامر کے دل میں ایک عجیب ضد پیدا ہو گئی تھی۔

وہ خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔

باب 4: اسی ضد نے ایک نئی راہ نکالی۔ عامر نے چند دوستوں کے ساتھ مل کر خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ کبھی کسی کے گھر، کبھی کسی ویران گودام میں لوگ جمع ہوتے۔ وہ مختلف طبقوں سے تعلق رکھتے تھے طلبہ، مزدور، شاعر اور استاد۔

وہ گھنٹوں بحث کرتے، منصوبے بناتے اور خواب دیکھتے۔ آخر کار انہوں نے اپنی تحریک کو ایک نام دیا:

علی، جو ایک مزدور یونین سے تعلق رکھتا تھا، بولا ''لوگ باتیں تو کر رہے ہیں، مگر انہیں یقین نہیں کہ کچھ بدل سکتا ہے۔'' عامر نے خاموشی سے سب کی طرف دیکھا۔ ''یقین ہم پیدا کریں گے۔ انقلاب پہلے دلوں میں پیدا ہوتا ہے، سڑکوں پر بعد میں آتا ہے۔'' کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ یہ خاموشی دراصل ایک نئے عزم کی ابتدا تھی۔ عامر جانتا تھا کہ صرف نعرے کافی نہیں ہوتے۔ اس نے دوبارہ لکھنا شروع کیا۔ اس کے مضامین خفیہ طور پر مختلف اخبارات اور رسالوں تک پہنچنے لگے۔ کہیں اس کا نام چھپ جاتا، کہیں کسی فرضی نام سے شائع ہو جاتا۔ اس کے الفاظ تیز تھے۔ وہ لکھتا تھا: ''ایک شہر جہاں غریب بھوک سے لڑ رہا ہو اور امیر طاقت سے، وہاں خاموشی سب سے بڑا جرم ہوتی ہے۔'' یہ الفاظ نوجوانوں میں مقبول ہونے لگے۔ لیکن حکومت بھی خاموش نہیں بیٹھی تھی۔ خفیہ اداروں کی نظریں اب عامر کی تلاش میں تھیں۔

''اٹھان'' جلد ہی شہر کی دیواروں پر نعرے نمودار ہونے لگے۔ خفیہ پمفلٹ راتوں کو گلیوں میں بکھر جاتے۔ لوگ سرگوشیوں میں اس تحریک کا ذکر کرنے لگے۔

باب 5: جب حکومت کو اس تحریک کا احساس ہوا تو اس نے سخت کارروائی شروع کر دی۔ چھاپے پڑنے لگے۔ ایک رات پولیس نے ان کے ایک خفیہ ٹھکانے پر حملہ کر دیا۔ عامر کسی طرح بچ نکلا، مگر اس کے کئی ساتھی گرفتار ہو گئے۔

تشدد اور اذیت کی خبریں سن کر عامر کے دل میں ایک لمحے کے لیے شک پیدا ہوا۔ کیا یہ جدوجہد واقعی کامیاب ہو سکتی ہے؟

اسی لمحے اسے ایک شاعر کا جملہ یاد آیا: ''انقلاب ایک دن میں نہیں آتا، وہ وقت کے ساتھ جنم لیتا ہے۔'' یہ خیال اس کے لیے نئی طاقت بن گیا۔

باب 6: چند ہفتوں بعد تحریک نے خود کو دوبارہ منظم کیا۔ لوگوں کا حوصلہ ٹوٹنے کے بجائے اور بڑھ گیا۔ مظاہرے بڑے ہونے لگے اور شہر کے مختلف حصوں میں مزاحمت کی آواز سنائی دینے لگی۔

عامر کے الفاظ ایک نعرہ بن گئے۔ نظام میں پہلی بار دراڑیں محسوس ہونے لگیں۔

ایک رات عامر دوبارہ اپنی چھت پر بیٹھا تھا۔ آسمان پر ستارے پہلے کی طرح چمک رہے تھے۔ مگر آج اس کے دل میں مایوسی نہیں تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ شہر کے افق پر ایک نئی صبح جنم لے رہی ہے۔

انقلاب ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ مگر امید نے جنم لے لیا تھا۔ اور کبھی کبھی امید ہی سب سے بڑی فتح ہوتی ہے۔

باب 7: تحریک آہستہ آہستہ شہر کی رگوں میں دوڑنے لگی تھی۔ ابتدا میں یہ صرف چند لوگوں کی محفل تھی، مگر اب گلیوں اور چائے خانوں میں اس کا ذکر ہونے لگا تھا۔

ایک شام عامر اور اس کے ساتھی ایک پرانے گودام میں جمع تھے۔ کمرے میں ہلکی سی بلب کی روشنی تھی۔

علی، جو ایک مزدور یونین سے تعلق رکھتا تھا، بولا ''لوگ باتیں تو کر رہے ہیں، مگر انہیں یقین نہیں کہ کچھ بدل سکتا ہے۔'' عامر نے خاموشی سے سب کی طرف دیکھا۔ ''یقین ہم پیدا کریں گے۔ انقلاب پہلے دلوں میں پیدا ہوتا ہے، سڑکوں پر بعد میں آتا ہے۔'' کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

یہ خاموشی دراصل ایک نئے عزم کی ابتدا تھی۔

باب 8: عامر جانتا تھا کہ صرف نعرے کافی نہیں ہوتے۔ اس نے دوبارہ لکھنا شروع کیا۔ اس کے مضامین خفیہ طور پر مختلف اخبارات اور رسالوں تک پہنچنے لگے۔ کہیں اس کا نام چھپ جاتا، کہیں کسی فرضی نام سے شائع ہو جاتا۔

اس کے الفاظ تیز تھے۔ وہ لکھتا تھا: ''ایک شہر جہاں غریب بھوک سے لڑ رہا ہو اور امیر طاقت سے، وہاں خاموشی سب سے بڑا جرم ہوتی ہے۔'' یہ الفاظ نوجوانوں میں مقبول ہونے لگے۔ لیکن حکومت بھی خاموش نہیں بیٹھی تھی۔

خفیہ اداروں کی نظریں اب عامر کی تلاش میں تھیں۔

باب 9: ایک رات عامر کو خبر ملی کہ پولیس اس کی تلاش میں اس کے گھر پہنچ چکی ہے۔ وہ فوراً شہر کے دوسرے حصے میں اپنے دوست حارث کے گھر چلا گیا۔

حارث نے دروازہ کھولتے ہی کہا عامر، اب تمہارا یہاں رہنا خطرناک ہے۔''

عامر مسکرایا انقلاب کبھی محفوظ جگہوں سے نہیں آتا۔

''حارث نے گہری سانس لی۔

''مگر زندہ رہنا بھی ضروری ہے۔'' یہ بات عامر کے دل میں کہیں بیٹھ گئی۔

باب 10: اٹھان تحریک کے کارکن راتوں کو شہر کی دیواروں پر نعرے لکھنے لگے۔

''انصاف ہمارا حق ہے'' ''خاموشی جرم ہے''

صبح جب لوگ کام پر نکلتے تو یہ نعرے ان کی نظروں میں امید جگا دیتے۔

ایک دن عامر نے دیکھا کہ ایک بوڑھا مزدور دیوار پر لکھے نعرے کو دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا'' کاش یہ سچ ہو جائے۔''

یہ الفاظ عامر کے دل میں گونجتے رہے۔

باب 11: تحریک کی طاقت بڑھنے لگی تھی۔

ایک دن یونیورسٹی میں ہزاروں طلبہ نے احتجاج کیا۔

پولیس نے لاٹھیاں برسائیں، مگر لوگ منتشر ہونے کے بجائے اور مضبوطی سے کھڑے ہو گئے۔ عامر مجمع کے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے بلند آواز میں کہا یہ شہر ہمارا ہے۔ ہم اس کے مستقبل کے مالک ہیں۔

ہجوم نے نعرہ لگایا۔

''انقلاب! انقلاب!''

یہ آواز دور تک پھیل گئی۔

باب 12: کئی مہینوں کی جدوجہد کے بعد شہر کا ماحول بدلنے لگا تھا۔ لوگ اب ڈر کے بجائے سوال کرنے لگے تھے۔

ایک رات عامر دوبارہ اپنی چھت پر بیٹھا آسمان کو دیکھ رہا تھا۔

ستارے پہلے کی طرح خاموش تھے۔ مگر اس بار عامر کے دل میں سکون تھا۔ اسے معلوم تھا کہ انقلاب صرف حکومتیں بدلنے کا نام نہیں ہوتا۔

انقلاب دراصل لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والی وہ روشنی ہے جو اندھیروں کو آہستہ آہستہ ختم کر دیتی ہے۔

اور وہ روشنی اب شہر میں پھیلنے لگی تھی۔

باب 13: تحریک اب صرف چند لوگوں کا خواب نہیں رہی تھی۔ شہر کے مختلف حلقوں میں اس کی گونج سنائی دینے لگی تھی۔ اسی دوران عامر کی ملاقات ایک نوجوان صحافی سارہ سے ہوئی۔

سارہ ایک آزاد خیال اور بے باک صحافی تھی۔ وہ حکومت کی پالیسیوں پر تنقید کرنے سے نہیں ڈرتی تھی۔ ایک شام وہ عامر سے ملی اور بولی: ''میں نے تمہارے مضامین پڑھے ہیں۔ لوگ انہیں پڑھ رہے ہیں۔ اور سوچ رہے ہیں۔''

عامر نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا'' سوچنا ہی انقلاب کی پہلی سیڑھی ہے۔''

سارہ نے کہا'' اگر تم تیار ہو تو میں اس آواز کو مزید لوگوں تک پہنچا سکتی ہوں۔'' یہ ملاقات تحریک کے لیے ایک نئی سمت ثابت ہونے والی تھی۔

باب 14:

سارہ نے اپنے اخبار میں ایک مضمون شائع کیا جس میں اس نے شہر میں بڑھتی ہوئی ناانصافی اور نوجوانوں کے غصے کا ذکر کیا۔ مضمون نے ہلچل مچا دی۔

اخبار کے دفتر پر دباؤ بڑھنے لگا حکومتی اہلکاروں نے مدیر کو خبردار کیا۔

چند دن بعد سارہ کو بلا کر کہا گیا: ''اگر تم نے اس قسم کی خبریں شائع کرنا بند نہ کیں تو تمہاری نوکری خطرے میں پڑ سکتی ہے۔'' سارہ نے جواب دیا: ''سچ لکھنا اگر جرم ہے تو میں یہ جرم کرتی رہوں گی۔'' یہ الفاظ سن کر عامر کو یقین ہو گیا کہ اب وہ اس جدوجہد میں اکیلا نہیں ہے۔

باب 15: تحریک کی مقبولیت بڑھتی دیکھ کر حکومت نے ایک خفیہ منصوبہ بنایا۔ خفیہ اداروں نے تحریک میں اپنے لوگ شامل کر دیے۔ ان کا مقصد تھا تحریک کو اندر سے توڑ دینا۔

سارہ نے اپنے اخبار میں ایک مضمون شائع کیا جس میں اس نے شہر میں بڑھتی ہوئی ناانصافی اور نوجوانوں کے غصے کا ذکر کیا۔ مضمون نے ہلچل مچا دی۔ اخبار کے دفتر پر دباؤ بڑھنے لگا حکومتی اہلکاروں نے مدیر کو خبردار کیا۔ چند دن بعد سارہ کو بلا کر کہا گیا: ''اگر تم نے اس قسم کی خبریں شائع کرنا بند نہ کیں تو تمہاری نوکری خطرے میں پڑ سکتی ہے۔'' سارہ نے جواب دیا: ''سچ لکھنا اگر جرم ہے تو میں یہ جرم کرتی رہوں گی۔'' یہ الفاظ سن کر عامر کو یقین ہو گیا کہ اب وہ اس جدوجہد میں اکیلا نہیں ہے۔ تحریک کی مقبولیت بڑھتی دیکھ کر حکومت نے ایک خفیہ منصوبہ بنایا۔ خفیہ اداروں نے تحریک میں اپنے لوگ شامل کر دیے۔ ان کا مقصد تھا تحریک کو اندر سے توڑ دینا۔

ایک دن عامر کو خبر ملی کہ ان کے ایک ساتھی کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے اور اس نے کچھ نام بتا دیے ہیں۔ یہ خبر سن کر سب کے چہرے سنجیدہ ہو گئے۔ علی نے دھیمی آواز میں کہا:

''اب ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ دشمن صرف باہر نہیں، اندر بھی ہو سکتا ہے۔''

باب 16: ایک رات شہر میں بڑا احتجاج ہوا۔

ہزاروں لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ نعرے گونجنے لگے۔

عامر ہجوم کے درمیان کھڑا تقریر کر رہا تھا۔'' یہ شہر ہمارا ہے۔ اور اس کا مستقبل بھی ہمارا ہوگا!''

اچانک پولیس نے حملہ کر دیا۔

آنسو گیس، لاٹھیاں اور بھگدڑ۔

عامر کو گرفتار کر لیا گیا لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو غصہ اور بڑھ گیا۔

باب 17: جیل کی کوٹھری تنگ اور تاریک تھی۔ عامر خاموشی سے دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا۔

پہلی بار اسے تنہائی نے گھیر لیا تھا۔ مگر اسی خاموشی میں اسے باہر کے لوگوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ احتجاج جاری تھا۔

ایک دن جیل کے ایک سپاہی نے آ کر آہستہ سے کہا: ''لوگ تمہارے لیے باہر احتجاج کر رہے ہیں۔'' عامر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اسے احساس ہوا کہ جدوجہد رک نہیں سکتی۔

باب 18: چند ہفتوں بعد عوامی دباؤ کے باعث حکومت کو عامر کو رہا کرنا پڑا۔

جب وہ جیل سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ درجنوں لوگ اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہیں۔ سارہ بھی وہاں موجود تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا: ''دیکھا؟ آوازیں قید نہیں کی جا سکتیں۔''

عامر نے آسمان کی طرف دیکھا۔

شہر اب بھی وہی تھا مگر لوگوں کے چہروں پر ایک نیا اعتماد نظر آ رہا تھا۔

شاید انقلاب کی صبح قریب آ رہی تھی۔

اسلام آباد کے تعلیمی اداروں میں تولیدی صحت کی تعلیم دینے کا بل

'بچوں کو پہلے آگاہی دینی چاہیے تاکہ کسی جال میں نہ پھنس سکیں'

شہزاد ملک

پاکستان کی پارلیمان سے منظوری کے بعد اب وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے تعلیمی اداروں میں 14 سال اور اس سے زائد عمر کے طلبہ کو تولیدی صحت سے واقفیت کی تعلیم دی جائے گی۔

گذشتہ ہفتے پارلیمان سے پاس ہونے والے اس بل میں تولیدی صحت کی تعلیم دینے سے پہلے بچوں کے والدین یا قانونی سرپرستوں سے تحریری اجازت کا حصول لازمی قرار دیا گیا ہے۔

پارلیمان کے ایوانِ زیریں اور ایوانِ بالا سے منظوری کے بعد یہ بل اب منظوری کے لیے صدرِ مملکت کو بھجوا دیا گیا ہے اور ان کی حتمی منظوری کے بعد یہ بل قانون کی شکل اختیار کر لے گا جس کے بعد اس قانون کا اطلاق وفاقی دارالحکومت میں قائم تعلیمی اداروں پر ہو گا۔

پاکستان کے ایوان بالا یعنی سینیٹ میں یہ بل پاکستان پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والی سینیٹر قرۃ العین مری نے پیش کیا تھا۔

سینیٹ سے منظوری کے بعد اس بل کو پاکستان پیپلز پارٹی ہی سے تعلق رکھنے والی رُکن قومی اسمبلی شازیہ مری نے ایوان زیریں میں پیش کیا جہاں اسے سادہ اکثریت سے منظور کر لیا گیا۔

اس بل کو پیش کرنے کے مقاصد اور وجوہات میں سینیٹر قرۃ العین مری نے لکھا کہ 'تولیدی صحت کی جامع تعلیم نصاب پر مبنی عمل ہو گا جس کے ذریعے تولیدی صحت کے علمی، جذباتی، جسمانی اور سماجی پہلوؤں پر تدریس اور سیکھنے کا موقع ملے گا۔'

'اس کا مقصد بچوں اور نوجوانوں کو وہ علم، مہارتیں، رویے اور اقدار فراہم کرنا ہے جو انھیں اپنی صحت، فلاح اور وقار کو سمجھنے اور برقرار رکھنے کے قابل بنائیں، باعزت سماجی تعلقات قائم کرنے میں مدد دیں، یہ سوچنے پر آمادہ کریں کہ ان کے فیصلے ان کی اپنی اور دوسروں کی فلاح پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں اور یہ سمجھنے اور یقینی بنانے میں مدد کریں کہ ان کے حقوق زندگی بھر محفوظ رہیں۔' اس بل میں کہا گیا ہے کہ 14 سال اور اس سے زیادہ عمر کے طلبہ کے لیے تولیدی صحت کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے۔

اس بل میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلے سے قائم اتھارٹی مڈل اور ہائی سکول کے طلبہ کے لیے تولیدی تعلیم سے متعلق مواد کتب میں شامل کرنے کی اجازت دے گی۔ پارلیمنٹ سے پاس ہونے والے اس بل میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ نصاب کے معیار کو جانچنے کے لیے قائم اتھارٹی تولیدی نصاب میں بہتری کے لیے تحقیق بھی کرے گی۔

بل کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس بل کو پیش کرنے والی پاکستان پیپلز پارٹی کی سینیٹر قرۃ العین مری نے بی بی سی کو بتایا کہ تولیدی صحت کو نصاب میں شامل کرنے کی ضرورت موجودہ دور کی ہے۔

انھوں نے کہا کہ 'بچے اگر کسی چیز کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں اور جب انھیں استاد اس بارے میں نہیں بتاتا تو وہ اس بارے میں متجسس ہو جاتے ہیں اور اس تجسس کو پورا کرنے کے لیے وہ انٹرنیٹ اور دوسرے ذرائع کا سہارا لیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ غلط ہاتھوں میں پھنس جاتے ہیں۔'

انھوں نے کہا کہ 'یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ بچے اپنے اس تجسس کو پورا کرنے کے لیے کسی بھی حد تک چلے جاتے ہیں اور اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے تولیدی صحت کی تعلیم کو نصاب میں شامل کرنے کے لیے قانون سازی کی گئی ہے۔'

انھوں نے دعویٰ کیا کہ سیالکوٹ اور ملک کے دیگر شہروں میں ایسے کئی واقعات ہوئے ہیں جن میں 'تولیدی صحت یا سیکس ایجوکیشن کے بارے میں جاننے کی کوششوں کے دوران ناپسندیدہ عناصر کے جال میں پھنسے۔'

قرۃ العین مری کا کہنا تھا کہ پہلے جب یہ بل ڈرافٹ ہوا تو اس میں یہ کہا گیا تھا کہ اس 'تعلیم کو پرائمری سے ہی نصاب کا حصہ بنا دیا جائے تاہم اس ضمن میں دیگر سیاسی جماعتوں اور ذمہ داران نے اتفاق نہیں کیا۔'

معاشرے کے لیے سنجیدہ اور حساس موضوع

تاہم پاکستان جیسے معاشرے میں اس بل کے نفاذ سے متعلق چند خدشات بھی پائے جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ اس سے پہلے پاکستان پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والی رُکن قومی اسمبلی شرمیلا فاروقی نے کم عمری کی شادی سے متعلق ایک بل پارلیمان میں پیش کیا تھا جس میں شادی کی عمر 18 سال مقرر کی گئی تھی۔ یہ بل پارلیمان سے منظور ہو گیا تھا۔

اس قانون سازی کا اطلاق بھی تولیدی صحت سے متعلق بل کی طرح صرف اسلام آباد تک محدود تھا۔ تاہم بعد ازاں دینی اور سیاسی جماعتوں بالخصوص جمعیت علمائے اسلام ف نے اس قانون کی مخالفت کرتے ہوئے اس قانون سازی کے خلاف پورے ملک میں احتجاجی ریلیاں نکالنے کی دھمکی دی تھی۔

جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمان نے قومی اسمبلی میں خطاب کے دوران اس قانون سازی کی شدید مخالفت کرتے ہوئے حکومت کو دھمکی دی تھی کہ وہ دیکھتے ہیں کہ کیسے اس بل پر کی جانے والی قانون سازی پر عملدرآمد ہوتا ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی کم عمری سے متعلق اس قانون سازی کی مخالفت کرتے ہوئے اسے 'خلاف دین' قرار دیا تھا اور ان کے بقول لڑکی کی شادی کی عمر اس وقت سے شروع ہو جاتی ہے جب وہ بالغ ہو جائے اور اس میں عمر کی حد مقرر نہیں ہے۔

تاہم تولیدی صحت سے متعلق بل پیش کرنے والی سینیٹر قرۃ العین مری نے کہا کہ 'اس بل پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے قائمہ کمیٹیوں کے جتنے بھی اجلاس ہوئے اس میں مذہبی جماعتوں کے ارکان پارلیمنٹ بھی موجود ہوتے تھے اور ان سے بھی ان تمام معاملات میں مشاورت کی گئی ہے۔'

انھوں نے کہا کہ تولیدی صحت اور اس کی اہمیت کے بارے میں دین اسلام میں بھی ذکر ہے۔

انھوں نے کہا کہ 'بچوں کے والدین کو بھی اس بات کا ادراک ہے کہ جس طرح سوشل میڈیا لوگوں پر اثر انداز ہو رہا ہے تو ایسے حالات میں وہ بھی چاہیں گے کہ ان کے بچے تولیدی صحت کے بارے میں پہلے سے ہی آگاہ ہوں تاکہ انھیں کوئی اپنے دام میں نہ پھنسا سکے۔'

پاکستان پیپلز پارٹی کی سینیٹر نے اس امید کا اظہار کیا کہ تولیدی صحت کے بارے میں 'قانون سازی کا نفاذ متنازع نہیں ہو گا اور ان کی کوشش ہو گی کہ تمام مذہبی جماعتیں بھی اس قانون پر عمل درآمد کے لیے میدان میں آئیں۔'

انھوں نے کہا کہ بچوں کو تولیدی صحت کے بارے میں آگہی دینا وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ نسلوں کو محفوظ بنایا جا سکے۔

ان کا مزید کہنا تھا کہ اُن کی جماعت کی کوشش ہے کہ تولیدی صحت سے متعلق مضامین ملک کے تمام صوبوں کے تعلیمی نصاب میں شامل کیے جائیں۔

انھوں نے کہا کہ تعلیم صوبائی استحقاق ہے اور چونکہ اُن کا دائرہ کار وفاق تک ہی محدود تھا اس لیے اسلام آباد میں تولیدی صحت کی تعلیم کو نصاب میں شامل کرنے کے لیے قانون سازی کی گئی ہے۔ انھوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ صوبے بھی اس اقدام کی پیروی کریں گے۔

دوسری جانب ماہر تعلیم سیدہ حرا امام کا کہنا ہے کہ ملک اور علاقے کی روایات کو دیکھتے ہوئے ایسی چیزوں کو تعلیمی نصاب کا حصہ بنانے کے لیے ایسی قانون سازی کرنی چاہیے جو کہ متنازع نہ ہو۔

انھوں نے کہا کہ اسلام آباد کے علاوہ ملک کے دیگر علاقوں میں واقع تعلیمی اداروں میں بچوں اور بچیوں کو 'گڈ ٹچ اور بیڈ ٹچ' کے بارے میں بتایا جاتا ہے اور اس بارے میں بچوں کے والدین نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔

سیدہ حرا امام کا کہنا تھا کہ جب سکول کی انتظامیہ بچوں کے والدین سے یہ کہیں گے کہ ان کے بچوں کو تولیدی صحت کی تعلیم دیں گے تو والدین کی جانب سے ممکنہ سخت ردعمل کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

مارٹر گولہ گرنے سے 3 افراد ہلاک

خیبر وادی تیراہ کے علاقے سٹرے کنڈاو میں ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا ہے۔ ذرائع کے مطابق نیاز بادشاہ نامی شخص کے گھر پر مارٹر گولہ گرنے سے 3 افراد ہلاک جبکہ متعدد زخمی ہونے کی اطلاع ہے۔ واقعے کے بعد علاقے میں شدید خوف و ہراس پھیل گیا ہے جبکہ مقامی افراد زخمیوں کو قریبی ہسپتال منتقل کرنے میں مصروف ہیں۔

(مسعود شاہ)

پسند کی شادی کرنے پر قتل کردیا

سکھر حدود تھانہ ایئرپورٹ ماڈل ٹاؤن نزد گل گوٹھ میں 30 سالہ احسان ولد گل محمد سومرو کو دو مسلح افراد نے فائرنگ کر کے ہلاک کردیا۔ مقتول ضلع جیکب آباد کا رہائشی تھا۔ اس نے 2014 میں اپنی پسند سے شادی کی تھی اور کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ عید پر وہ اپنے گاؤں آیا تھا تاکہ سسرال والوں سے صلح کرے، مگر اسے فائرنگ کر کے قتل کردیا گیا۔ ملزمان فرار ہوگئے۔

(شاکر جمالی)

بیسیوں ہاری بازیاب

عمرکوٹ کنری پولیس نے سیشن کورٹ عمرکوٹ کے حکم پر محمود آباد کے قریب زمیندار داؤد کی زرعی زمین پر چھاپہ مار کر جبری مشقت کے شکار کولہی قبیلے کے 33 ہاری افراد ہر ایک شگھن، پرسو، بھلجی، لیلو، تلجی، رادھا، کرماں اور دیگر کو دھیرو کولہی کی درخوست پر بازیاب کرالیا۔ ہاریوں نے بتایا کہ ان سے زبردستی جبری مشقت کراتا تھا۔ عدالت نے بازیاب ہونے والے تمام ہاریوں کو ان کی مرضی اور پسند کے مطابق آزاد زندگی گذارنے کی اجازت دے دی۔

(نامہ نگار)

بارودی مواد پھٹنے سے ہلاکتیں

خیبر ضلع خیبر کی تحصیل وادی تیراہ میدان کے علاقے توردارہ، جو تھانہ تیراہ کی حدود میں واقع ہے، میں بارودی سرنگ کے دھماکے کے نتیجے میں ایک شخص زخمی ہوگیا۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق زخمی ہونے والے شخص کی شناخت ابوبکر ولد آزاد خان کے نام سے ہوئی ہے، جو قوم کوکی خیل (ابدال خیل) سے تعلق رکھتے ہیں۔ زخمی شخص کے بیان کے مطابق وہ علاقے میں موجود تھا کہ اچانک اس کا پاؤں بارودی سرنگ پر پڑ گیا جس کے نتیجے میں زوردار دھماکہ ہوا اور وہ زخمی ہوگیا۔

(مسعود شاہ)

کشیدگی کے باعث نقل مکانی

خیبر پاک افغان کشیدگی کے باعث علاقے میں حالات انتہائی خراب ہوچکے ہیں۔ لوگوں نے نقل مکانی شروع کردی ہے اور متعدد خاندان ریلوے ٹنل میں پناہ لینے پر مجبور ہیں جہاں وہ بے یارو مددگار پڑے ہیں۔ مختلف علاقوں میں گھروں پر مارٹر گولے گرائے جارہے ہیں جس کے باعث بچے اور خواتین شدید خوف و ہراس کا شکار ہیں تاہم اس تمام صورتحال پر منتخب نمائندوں نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے جبکہ سیاسی اتحاد بھی مکمل خاموش ہے۔ ان خیالات کا اظہار عوامی نیشنل پارٹی کے صوبائی کونسل ممبر فضل الرحمٰن آفریدی نے کیا۔ انہوں نے کہا کہ گزشتہ آٹھ دنوں سے علاقے میں مسلسل گولہ باری ہورہی ہے اور باچا مینہ کے عوام نقل مکانی کر کے ٹنلز میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ متاثرہ افراد کو خوراک، ادویات اور رات گزارنے کے لیے ضروری سامان کی اشد ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ افسوس کی بات ہے کہ ضلع خیبر کے ایم این اے ممبر صوبائی اسمبلی اور سینیٹر نے اب تک متاثرہ لوگوں کا حال تک نہیں پوچھا۔ اسی طرح ڈپٹی کمشنر خیبر کو بھی شاید اس بات کا اندازہ نہیں کہ لنڈیکوتل میں عوام بے گھر ہوچکے ہیں جبکہ دوسری طرف گھروں پر مسلسل گولے گرائے جارہے ہیں جس کے باعث ہزاروں افراد نقل مکانی پر مجبور ہوگئے ہیں۔ فضل الرحمٰن آفریدی نے کہا کہ اس مشکل وقت میں خیبر سیاسی اتحاد بھی خاموش بیٹھا ہے جبکہ قومی مشران پہلے ہی خود کو اس صورتحال سے الگ کر چکے ہیں۔ ایسے مشکل وقت میں عوام کی نظریں منتخب نمائندوں، سیاسی جماعتوں کے کارکنان اور قومی مشران پر ہوتی ہیں، لیکن لنڈیکوتل اس حوالے سے مکمل طور پر محروم نظر آتا ہے اور کوئی آواز تک اٹھانے والا نہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ نقل مکانی کرنے والے افراد کے لیے فوری طور پر رہائش، خوراک اور دیگر ضروری سہولیات کا بندوبست کیا جائے، بصورت دیگر وہ سخت احتجاج کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔

(منظور آفریدی)

وکیل پر پولیس تشدد کی شدید مذمت

خیبر باڑہ بار کونسل کے دفتر خیبر بار ایسوسی ایشن کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت خیبر بار کے نگراں صدر اور سینئر وکیل تاج محل آفریدی نے کی۔ اجلاس باڑہ پولیس کی جانب سے ایڈووکیٹ گل جہان آفریدی کو مبینہ طور پر زدوکوب کرنے اور تشدد کا نشانہ بنانے کے واقعے کی شدید اور پرزور الفاظ میں مذمت کی گئی۔ اجلاس میں وکلا نے متفقہ طور پر مطالبہ کیا کہ واقعے میں ملوث پولیس اہلکاروں کے خلاف فوری طور پر ایف آئی آر درج کی جائے اور انہیں ملازمت سے برخاست کیا جائے۔ اس سلسلے میں ایک قرارداد بھی پیش کی گئی جسے اجلاس کے شرکا نے متفقہ طور پر منظور کرلیا۔ وکلا برادری نے اعلان کیا کہ جب تک ان کے مطالبات تسلیم نہیں کیے جاتے، اس وقت تک عدالتوں کا مکمل بائیکاٹ جاری رکھا جائے گا۔ اجلاس میں مطالبہ کیا گیا کہ ڈی ایس پی، ایس ایچ او اور واقعے میں ملوث دیگر پولیس اہلکاروں کو فوری طور پر گرفتار کیا جائے اور قانون کے مطابق ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ اجلاس میں جمرود، لنڈی کوتل اور باڑہ تحصیل سے تعلق رکھنے والے خیبر بار کے اراکین اور سینئر وکلا نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ اس موقع پر فرہاد اللہ ایڈووکیٹ، سجاد حسین شینواری، ایڈووکیٹ خان کریم، ایڈووکیٹ جنید شینواری، سعید اللہ اور لیاقت آفریدی سمیت متعدد سینئر وکلا موجود تھے۔ اجلاس کے دوران آئندہ کے احتجاجی مظاہروں کا شیڈول بھی ترتیب دیا گیا اور واضح کیا گیا کہ ملزمان کی گرفتاری اور انصاف کی فراہمی تک وکلا برادری احتجاج جاری رکھے گی۔

(مسعود شاہ)

نادرا سنٹر پر سہولیات فراہم کی جائیں

اوکاڑہ بصیرپور شہر میں واقع نادرا سینٹر پر شہریوں کے لیے ایک ٹوکن کاؤنٹر اور شناختی کارڈ بنوانے کے دو کاؤنٹر قائم ہیں۔ اس سینٹر پر روزانہ سینکڑوں شہری وزٹ آتے ہیں۔ سینٹر پر کاؤنٹر کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے یہاں روزانہ عورتوں اور مردوں کی لمبی قطاریں نظر آتی ہیں۔ اس سینٹر پر چورستہ میاں خان اور منڈی احمد آباد سے بھی شہری آتے ہیں۔ مقامی شہریوں نے چیئرمین نادرا سے مطالبہ کیا ہے کہ اس سینٹر پر مزید پانچ کاؤنٹر قائم کیے جائیں تاکہ شہریوں کی مشکلات کم ہوسکیں۔

(اصغر حسین حماد)

خواتین

اسلام آباد میں عورت مارچ کے شرکاء پر پولیس تشدد، ہیومن رائٹس کمیشن کا ذمہ دار افسران کے خلاف عدالت جانے کا اعلان

اسلام آباد ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان نے عالمی یوم خواتین کے موقع پر اسلام آباد پولیس کی جانب سے عورت مارچ اسلام آباد کے شرکاء پر تشدد، حوالات میں بند کر کے ہراساں کرنے کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسکے خلاف عدالت میں رٹ پٹیشن دائر کرنے کا اعلان کیا ہے۔نیشنل پریس کلب اسلام آباد میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق،عورت مارچ اسلام آباد کی آرگنائزر ڈاکٹر فرزانہ باری، طاہر عبداللہ، زینب، حلیمہ اظہر، فرحت فاطمہ و دیگر کا کہنا تھا کہ عورت مارچ کی جانب سے اسلام آباد میں ایک پر امن مارچ کی کال دی گئی تھی لیکن کل جو کچھ ہوا، وہ انتہائی افسوسناک تھا۔ ہم نے ریاستی تشدد، پولیس کی سخت کارروائی اور عورت مارچ کے سینئر آرگنائزرز اور سپورٹرز کی گرفتاری دیکھی، متعدد خواتین کو زبردستی حراست میں لیا گیا، انہیں جسمانی طور پر ہراساں کیا گیا اوران کے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کیا گیا جب ان کی مدد کے لیے سپورٹرز اور ساتھی مختلف پولیس اسٹیشنوں میں پہنچے تو انہیں بھی گرفتار کرلیا گیا اور کئی گھنٹوں تک حراست میں رکھا گیا اس دوران ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ نہایت قابلِ مذمت ہے، فرزانہ باری نے کہا کہ ہر سال خواتین کا عالمی دن عورت مارچ کے ذریعے منایا جاتا ہے، گزشتہ کئی سالوں سے ہمیں مارچ کے لیے این او سی حاصل کرنے میں مشکلات کا سامنا رہا۔

2018 کے بعد سے ہمیں باقاعدہ این او سی نہیں دیا گیا، اور ہر سال کسی نہ کسی بہانے سے ہمیں روکا جاتا ہے اس سال بھی ہم نے ڈیڑھ ماہ پہلے این او سی کے لیے درخواست دی، لیکن ہمیں کوئی جواب نہیں دیا گیا ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے شہری ہونے کے ناطے ہمیں آئینی حق حاصل ہے کہ ہم پرامن طور پر جمع ہوں اور اظہار رائے کریں۔ اگر ریاست ایسے قوانین نافذ کرتی ہے جو ہمارے بنیادی آئینی حقوق کو محدود کرتے ہیں تو ہم بطور شہری ان قوانین کو چیلنج کرنے کا حق رکھتے ہیں کل جو کچھ ہوا وہ نہ صرف افسوسناک بلکہ تشویشناک بھی ہے کم عمر لڑکیوں اور خواتین کے ساتھ بدسلوکی کی گئی، انہیں مارا پیٹا گیا، ان کے بال کھینچے گئے اور انہیں غیر انسانی حالات میں رکھا گیا، پولیس اسٹیشن کے اندر درجنوں افراد کو ایک ہی لاک اپ میں رکھا گیا جہاں سانس لینا بھی مشکل ہو رہا تھا یہ صورتحال کسی بھی مہذب معاشرے کے لیے قابلِ قبول نہیں ہم واضح طور پر مطالبہ کرتے ہیں کہ اس واقعے کی آزادانہ تحقیقات کرائی جائے اور جو افسران اس تشدد میں ملوث تھے ان کے خلاف کارروائی کی جائے عورتوں کے حقوق کے لیے ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔حلیمہ اظہر نے بتایا کہ جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ان کی عمریں 14 سال سے لے کر 73 سال تک تھیں ان میں تقریباً 35 مرد اور 44 خواتین شامل تھیں۔ان خواتین میں دو حاملہ خواتین بھی شامل تھیں جنہیں گرفتار کیا گیا اور ان پر تشدد کیا گیا۔اسی طرح 14 اور 16 سال کی کم عمر بچیوں کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔گرفتاری کے دوران پولیس نے لوگوں کے موبائل فون اور ذاتی اشیاء بھی لے لیں اور فون کے پاس ورڈ کھلوائے جس کے بعد فون میں موجود پیغامات اور معلومات تک چیک کی گئیں۔پولیس نے ہمارے درمیان خوف اور بے چینی پیدا کرنے کی کوشش کی اور خاص طور پر کم عمر بچیوں کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک کیا گیا۔خاتون صحافی فرحت فاطمہ نے بتایا کہ وہ کوریج کیلئے ویمن پولیس اسٹیشن پہنچیں، میں نے اپنا تعارف کروایا تو وہ ہمیں لاک اپ کے سامنے لے گئیں جس دوران کسی نے شبانہ کو فون کر کے پوچھا کہ کیا وہ وہاں موجود ہیں بس اتنی سی بات پر اچانک صورتحال بدل گئی۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہم صرف رپورٹنگ کے لیے آئے ہیں اور ہم نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا لیکن انہوں نے ہمارے موبائل چھیننے کی کوشش شروع کر دی۔ میں نے اپنی 23 سالہ صحافتی زندگی میں پہلی مرتبہ آزادی اظہار رائے پر اس طرح کی پابندی دیکھی ہے۔ ہمیں خود بلا کر اندر لایا گیا اور پھر ہمارے ساتھ بدسلوکی کی گئی۔بعد میں ہمیں ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔وہاں اے ٹی ایس اور اسپیشل برانچ کے افسران آئے اور ہم پر الزام لگایا گیا کہ ہم ریاست کے خلاف کام کر رہے ہیں، ہم دہشت گرد ہیں اور ہم آرٹیکل 144 کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ (بشکریہ اردو پوائنٹ)

(رپورٹ: اعجاز خان)

غیرت' کے نام پر تین افراد قتل

نوشکی 2 مارچ کو کوئٹہ کے علاقے وشین کالونی، صدام پھاٹک، سریاب روڈ پر پسند کی شادی پر سکینہ بی بی کے بھائی عبدالمجید بادینی نے اپنے بہنوئی اور بہن کو دھوکہ سے بلا کر اپنے بیٹوں محبوب عرف معشوق، ارشاد، چچازاد بھائی عبدالغفار اور نزیر احمد کے ہمراہ گھر کے قریب ان پر اندھا دھند فائرنگ کی جس کے نتیجے میں انکے بہنوئی محمد یعقوب محمد شہی، ہمشیرہ سکینہ بی بی، 9 ماہ کا بیٹا محمد شایان موقع پر جاں بحق ہوگئے جبکہ دو سالہ بیٹا محمد الیاس معجزانہ طور پر محفوظ رہا۔ 5 مارچ کو محمد یعقوب محمد شہی کی معذور والدہ نے اپنی بہو کے ہمراہ نوشکی پریس کلب میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا اپریل 2023 میں میرے بیٹے محمد یعقوب نے سکینہ بی بی سے پسند کی شادی کی تھی اور کوئٹہ شفٹ ہوگئے تھے۔ 4 اگست 2025 کو میرا بیٹا محمد یعقوب کا بھائی اپنے آفس سے گھر آ رہا تھا کہ عبدالمجید بادینی نے انھیں فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔جس کی ایف آئی آر ہم نے نوشکی پولیس تھانہ میں درج کرائی لیکن 6 ماہ کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود قاتل گرفتار نہیں ہوسکے جو سکیورٹی فورسز کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے اور اب 2 مارچ 2026 کو عبدالمجید بادینی نے اپنے بہنوئی اور بہن کو دھوکہ سے گھر بلا کر اپنے بیٹوں اور چچازاد بھائیوں کے ہمراہ فائرنگ کی جس کے نتیجے میں محمد یعقوب محمد شہی انکی اہلیہ اور 9 ماہ کا معصوم بچہ موقع پر جاں بحق ہوگئے۔ محمد یعقوب کی والدہ اور محمد یونس محمد شہی کی بیوہ نے اعلیٰ حکام سے اپیل کی ہے کہ وہ قاتلوں کو گرفتار کر کے انصاف کے کٹہرے میں لائیں اور انہیں کڑی سزائیں دیں۔انہوں نے کہا کہ حکومت ہمیں تحفظ فراہم کرے کیونکہ ملزم ہمیں قتل کی دھمکیاں دے رہا ہے اس لیے ہم حکومت اور سکیورٹی فورسز سے اپیل کرتے ہیں ملزمان کو گرفتار کر کے ہمیں انصاف اور تحفظ فراہم کیا جائے۔

(محمد سعید)

یواین ادارے کی مدد سے کپاس چننے والی خواتین کی یونین سازی

اسلام آباد حفیظہ مائی کا بچپن سکول کے بجائے کھیتوں میں کپاس چنتے گزرا۔کم عمری کی شادی،مشقت اور معاشی عدم تحفظ نے ان کے جو خواب کچلے انہیں وہ اپنے بچوں کو تعلیم اور اپنے جیسی خواتین کو آگاہی دے کر پورا کر رہی ہیں۔پاکستان میں صوبہ پنجاب کے گاؤں پنجراں سے تعلق رکھنے والی حفیظہ مائی کی عمر اب 45 سال ہے۔بچپن میں سکول جانا اور تعلیم حاصل کرنا ان کا خواب تھا۔مگر والدین نے انہیں اور ان کی بہنوں کو کپاس کی چنائی پر لگا دیا جبکہ بھائیوں کو سکول بھیجا جاتا تھا۔حفیظہ اپنے والدین کے ساتھ دن بھر کھیتوں میں کام کرتیں۔یہ لوگ روزانہ 40 کلوگرام کپاس چنتے جس کے عوض انہیں 150 روپے ملتے تھے۔وہ بتاتی ہیں کہ کھیتوں میں انہیں کیڑے مکوڑے کاٹتے اور کئی طرح کی چوٹیں اور تکالیف آتیں جنہیں بیان کرنا بھی مشکل ہے۔ایک مرتبہ وہ کھیت میں بجلی کے کھمبے سے ٹکرا کر بری طرح زخمی ہو گئیں۔جب ان کی عمر 14 سال کو پہنچی تو والدین نے فیصلہ کر لیا کہ اب ان کی شادی کا وقت آ گیا ہے۔حفیظہ شادی کے لیے تیار نہیں تھیں۔انہوں نے والدین سے کہا کہ 'آپ نے مجھے کبھی تعلیم دی نہ زندگی کے حوالے سے رہنمائی مہیا کی اس لیے فی الوقت شادی کرنا میری زندگی کے لیے بہتر نہ ہوگا' ان کی والدہ کا جواب تھا 'انکار مت کرو، یہی ہماری روایت ہے۔' حفیظہ روتی رہیں کہ انہیں علم ہی نہیں تھا کہ شادی کیا ہوتی ہے۔ان کے خیال میں شادی کا مطلب شوہر کے ساتھ صرف اکٹھے رہنا تھا جیسا کہ بہن بھائی رہتے ہیں۔شادی کی پہلی رات جب شوہر ان کے قریب آئے تو وہ خوف کے مارے بیمار ہو گئیں۔انہیں دن رات بخار رہنے لگا اور صحت بری طرح متاثر ہوئی۔وہ بتاتی ہیں کہ بعد میں ان کے شوہر کو احساس ہوا کہ وہ کم عمر تھیں اور ان کے ساتھ اچھا نہیں ہوا تھا۔

'آئی ایل او' کا تعلیمی اقدام

شادی اور مشقت بچپن کو کچل دیتی ہیں۔حفیظہ اوائل عمری سے یہ سوچتی تھیں کہ وہ تعلیم حاصل کریں گی اور انہیں کپاس چننے کا کام نہیں کرنا پڑے گا۔ان کے یہ خواب تو پورے نہ ہو سکے لیکن اب وہ اپنے چار بچوں کو سکول بھیج کر انہیں بہتر زندگی دلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔شادی سے چند برس بعد ان کے شوہر بیمار ہو گئے اور 16 سالہ علالت کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔حفیظہ اس وقت بھی جوان تھیں اور صبح سویرے اپنے بچوں کو سکول چھوڑنے کے بعد کھیتوں میں جا کر دن بھر کام کرتیں۔ایک دن عالمی ادارہ محنت (آئی ایل او) کی ٹیم ان کے علاقے میں آئی جس نے ان جیسے کھیت مزدوروں کے بچوں کے لیے کتابیں، یونیفارم، بستے، جوتے اور دیگر تعلیمی سامان فراہم کیا۔اس طرح بچوں میں تعلیم کا شوق بڑھا اور والدین کو بھی تعلیمی اخراجات کی مد میں سہولت ملی۔

جسمانی حفاظت اور آگاہی

حفیظہ بتاتی ہیں کہ کپاس کے شعبے میں زیادہ تر خواتین مزدور کام کرتی ہیں۔یہ انتہائی مشقت بھرا اور کم اجرت والا کام ہے۔کچھ عرصہ پہلے تک انہیں اجرت کئی ماہ تاخیر سے ملتی تھی۔ان دنوں خواتین مزدوروں کے پاس کھیتوں میں کام کے لیے مناسب لباس بھی نہیں ہوتے تھے۔طویل وقت تک کام کرنے کے بعد ان کے ہاتھوں میں خارش پیدا ہو جاتی، آنکھیں جلنے لگتیں اور کبھی انگلیاں بھی زخمی ہو جاتیں۔گھنٹوں کھیتوں میں کام کرنے سے ان کا سر چکرانے لگتا تھا۔آگاہی نہ ہونے کے سبب صحت کے سنگین مسائل جنم لیتے تھے۔انہیں اندازہ نہیں تھا کہ کھاد جسم کے لیے خطرناک بھی ہو سکتی ہے جسے وہ چینی جیسی کوئی چیز سمجھتے تھے۔انہیں یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیڑے مار سپرے کس قدر نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔بعض اوقات ان کے بچے سپرے کی بوتلوں کو پانی سمجھ کر پی لیتے اور بیمار ہو جاتے تھے۔جب ان کا رابطہ 'آئی ایل او' سے ہوا تو انہیں کام کے دوران بنیادی حفاظتی تدابیر اور اپنے حقوق کے بارے میں آگاہی ملی۔اس طرح انہیں اندازہ ہوا کہ یہ کیمیائی مادے جلد کو نقصان پہنچاتے اور دیرپا بیماریوں کا سبب بن سکتے ہیں۔

تنظیم سازی

'آئی ایل او' کی فراہم کردہ تربیت کے ذریعے انہوں نے یہ بھی سیکھا کہ منظم ہونا ضروری ہے کیونکہ کوئی اکیلا شخص تبدیلی نہیں لا سکتا۔چنانچہ کپاس چننے والی خواتین مزدوروں نے اپنی یونین بنائی اور حفیظہ کو پہلی مرتبہ حقیقی امید محسوس ہوئی کہ ان کے لیے اپنے حالات میں بہتری لانا ممکن ہے۔حفیظہ اب اس یونین کی صدر ہیں۔وہ اس پلیٹ فارم پر خواتین کو اکٹھا کرتی اور انہیں درپیش مسائل پر بات کرتی ہیں۔انہیں معلوم ہے کہ جب خواتین متحد ہوں تو اپنے مسائل حل کر سکتی ہیں۔

وہ گھر گھر جا کر خواتین کو بتاتی ہیں کہ کپاس چننے کا کام ان کی صحت پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے اور انہیں اس کام میں کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔وہ انہیں ترغیب دیتی ہیں کہ اپنے بچوں کو سکول بھیجیں اور اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھائیں۔وہ ان خواتین سے بھی بات کرتی ہیں جو برسوں سے خاموش رہیں۔وہ تشدد کے بارے میں بھی بات کرتی اور آواز اٹھاتی ہیں چاہے وہ زمینداروں کی طرف سے ہو، رشتہ داروں کی جانب سے یا شوہروں کی طرف سے۔

حقوق کا تحفظ

حفیظہ کہتی ہیں کہ یونین بننے سے پہلے ان مزدوروں کی زندگی خوف کے سائے میں گزرتی تھی۔زمیندار اپنی بات منوانے کے لیے انہیں دھمکاتے تھے اور اپنی شرائط منوانے کے لیے بندوقوں اور چاقوؤں سے ڈراتے تھے۔مرد روزانہ تقریباً 1000 روپے کماتے تھے جبکہ خواتین کو پورا دن کپاس چننے کے بعد صرف 350 روپے اجرت ملتی تھی۔اب یونین نے ان کے ایسے بہت سے مسائل حل کر دیے ہیں۔اپنے حقوق پامال ہونے پر خواتین اکٹھی ہو کر زمیندار کے پاس جاتی ہیں۔یونین کی بدولت کھیتوں میں بدسلوکی اور بدانتظامی کم ہو گئی ہے۔اب خواتین کو بنیادی سہولیات جیسا کہ بیت الخلا تک رسائی بھی حاصل ہے اور مجموعی طور پر حالات کار پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئے ہیں۔حفیظہ اپنی پیشہ وارانہ زندگی کے بیشتر حصے میں اپنے حق کے لیے آواز نہ اٹھا سکیں۔اب تقریباً 1200 خواتین ان کے ساتھ کھڑی ہیں۔ان کا پیغام یہ ہے کہ اپنے حقوق کو پہچانو اور ان کے لیے آواز بلند کرو۔اپنے بچوں کو تعلیم دو تا کہ انہیں محرومی اور ناانصافی کا سامنا نہ ہو۔

(بشکریہ یواین خبرنامہ)

خواتین کے عالمی دن پر کراچی میں ریلی، جبری برطرفیوں، ہراسانی اور غیر مساوی نظام کے خلاف احتجاج

کراچی خواتین کے عالمی دن، آٹھ مارچ کے موقع پر کراچی میں آرٹس کونسل سے پریس کلب تک نیشنل ٹریڈ یونین فیڈریشن، ہوم بیسڈ ویمن ورکرز فیڈریشن کی جانب سے مارچ کا انعقاد کیا گیا، جس میں ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان سمیت سندھ کے صحرائے تھر، ٹنڈو الہ یار، سانگھڑ اور دیگر علاقوں سے خواتین کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ ریلی کے شرکا نے ہاتھوں میں پلے کارڈز اور بینرز اٹھا رکھے تھے جن پر عالمی امن کے قیام، خواتین کو برابری کا درجہ دینے، انڈسٹریز سے جبری برطرفیاں اور ہراسانی بند کرنے سمیت استحصالی نظام کے خاتمے کے مطالبات درج تھے۔ ریلی کے دوران شرکا جنگوں، خواتین کے استحصال اور غیر مساوی نظام کے خلاف فلک شگاف نعرے بھی لگاتے رہے۔ پریس کلب کے سامنے خواتین تنظیموں کی رہنماؤں اور دیگر مقررین نے خطاب کرتے ہوئے خواتین کے حقوق کے تحفظ اور سماجی انصاف کے قیام پر زور دیا۔ اس موقع پر ہوم بیسڈ ویمن ورکرز فیڈریشن کی رہنما زہرا خان نے وائس پی کے سے گفتگو میں کہا کہ آج خواتین کا عالمی دن ہے۔ خواتین پر بھی بات ہوگی لیکن ہم نے آج کے دن کو جنگی جنون اور بربریت کے خلاف منسوب کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں امن قائم ہو اور پاکستان سمیت پوری دنیا میں خواتین کے ساتھ ہونے والی نابرابری کا خاتمہ کیا جائے۔ پاکستان ویمن فاؤنڈیشن کی رہنما نرگس رحمان کا کہنا تھا کہ ہم سب عورتیں ایک ساتھ ہیں۔ اسی عورت کے باعث یہ دنیا ہے اور عورت سے ہی امید ہے۔ یہ عورت دنیا اور اس ملک کو آگے لے جائیگی۔ عورت کے بغیر ترقی اور طاقت ممکن نہیں ہے۔ محنت کش عورت کا کام شاید نظر نہ آتا ہو لیکن اسی محنت کش عورت کے کام سے ہی زندگی آگے بڑھتی ہے۔

عورت تو 24 گھنٹے اور 365 دن کام کرتی رہتی ہے، عورت کے لیے صرف 8 مارچ نہیں ہے، ہر دن عورت کا ہے اس کے بغیر پاکستان اور دنیا کی ترقی ممکن نہیں، عورت زندہ باد ہے۔ مارچ میں ٹرانس جینڈر کمیونٹی کی جانب سے بھی شرکت کی گئی، ان کا کہنا تھا کہ خواتین اور ٹرانس جینڈر کمیونٹی کے مسائل یکساں ہیں۔ وہ مل کر اس استحصالی اور نفرت پر مبنی نظام کے خلاف ایک ہی پلیٹ فارم پر لڑ رہی ہیں۔ ٹرانس جینڈر کمیونٹی کے نمائندوں کا کہنا تھا کہ اس وقت دنیا جنگ کی حالت میں ہے، ریاست پاکستان کی پالیسی بھی عوام دوست نہیں ہے، اس ملک میں جب تک خواجہ سرا کمیونٹی اور خواتین کو ان کے حقوق نہیں دیے جاتے اس وقت تک ترقی ممکن نہیں ہے۔ شرکا کا کہنا تھا کہ خواتین کے حقوق اور مساوات کے لیے جدوجہد جاری رکھی جائے گی۔ اس وقت مزدور خواتین کو کم اجرت، ہراسانی اور ظالمانہ ٹھیکیداری نظام جیسے چیلنجز کا سامنا ہے۔ سندھ کے دیہی ضلع ٹنڈو الہیار سے شرکت والی خاتون فاطمہ لغاری کا کہنا تھا کہ دیہی علاقوں میں خواتین کی حالت بہت خراب ہے، خاص طور پر وہ خواتین جو زراعت سے وابستہ ہیں انہیں اپنا پورا حصہ ہی نہیں ملتا۔ حالانکہ عورت ہی کھیتوں میں سب سے زیادہ کام کرتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ عورت ہی ہے جو جنگ نہیں امن چاہتی ہے، یہ دنیا میں جو جنگ ہو رہی ہے، وہ ایک عورت کے لیے تکلیف دہ ہے، انہوں نے کہا کہ دیہی خواتین کی تعلیم کے لیے اقدامات کیے جائیں، کیونکہ ایک خاتون جب پڑھتی ہے تو پورا خاندان پڑھ جاتا ہے۔ سانگھڑ سے تعلق رکھنے والی خاتون میوی کا مریڈ کا کہنا ہے کہ دیہی علاقوں میں خواتین گھریلو تشدد کا شکار ہیں، اپنے حقوق اور اجرت کے پورے حصے سے بھی محروم ہیں، ان کا کہنا تھا کہ اس ملک میں ان کا سننے والا نہیں ہے، لیکن وہ ہر سال آٹھ مارچ کو آواز اٹھاتے ہیں شاید کوئی سن لے۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان سندھ چیپٹر کے وائس چیئر قاضی خضر نے کہا کہ پاکستان میں خواتین کے لیے ہر آنے والا سال پچھلے سال سے بدتر ثابت ہوتا ہے۔ اس وقت جو دنیا میں جنگیں ہو رہی ہیں اس کا سب سے زیادہ نقصان خواتین کو ہو رہا ہے۔ خواتین کے لیے بنائے گئے قوانین پر عمل درآمد نہیں ہو رہا، جس کی ذمہ داری ریاست پاکستان پر عائد ہوتی ہے۔ کراچی سے تعلق رکھنے والے طالب علم بھی مارچ میں شریک ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان کی خواتین دنیا بھر کی خواتین جیسی ذہین ہیں لیکن انہیں مواقع دستیاب نہیں ہیں، وہ پرامید ہیں دن بہ دن خواتین میں شعور بیدار ہو رہا ہے، ہر سال اس مارچ میں خواتین کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، اب خاتون کو اپنے حقوق سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ (بشکریہ وائس پی کے)

(رپورٹ: شوکت کورائی)

خواتین کی پارلیمانی نمائندگی میں اضافہ سست روی کا شکار، رپورٹ

رواں برس دنیا بھر کے پارلیمانی اداروں میں خواتین کی نمائندگی 27.5 فیصد تک پہنچ گئی ہے جو گزشتہ سال کے مقابلے میں صرف 0.3 فیصد اور ایک دہائی میں سب سے سست رفتار اضافہ ہے۔ اقوام متحدہ کے تعاون سے کام کرنے والے ادارے 'بین پارلیمانی یونین' (آئی پی یو) کی نئی رپورٹ کے مطابق، پارلیمانی قیادت میں خواتین کی تعداد کم ہوئی ہے اور پارلیمانی اداروں میں نئے مقرر ہونے والے 75 سپیکر میں صرف 12 خواتین تھیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گزشتہ سال 49 ممالک میں ہونے والے انتخابات میں خواتین کی نمائندگی بڑھانے میں کوٹہ سسٹم کا نمایاں کردار تھا۔ جن پارلیمانی ایوانوں میں اس حوالے سے کوئی قانون یا کوٹہ موجود تھا وہاں خواتین کی اوسط نمائندگی 31 فیصد رہی جبکہ کوٹہ نہ ہونے کی صورت میں یہ شرح 23 فیصد ریکارڈ کی گئی۔

براعظم ہائے امریکہ میں ریکارڈ نمائندگی

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں خواتین کی پارلیمانی نمائندگی سب سے کم ہے جہاں پارلیمانی اداروں میں خواتین کے پاس اوسطاً 16.2 فیصد نشستیں ہیں۔ رپورٹ کے مطابق، تین ممالک ایسے بھی ہیں جہاں پارلیمان کے ایوان زیریں یا واحد ایوان میں ایک بھی خاتون رکن موجود نہیں۔ ان میں عمان، تووالو اور یمن شامل ہیں۔ رپورٹ کے مطابق، براعظم ہائے امریکہ کے پارلیمانی اداروں میں خواتین کی نمائندگی سب سے زیادہ ریکارڈ کی گئی جہاں خواتین ارکان کی مجموعی شرح 35.6 فیصد ہے۔ دیگر ممالک میں کرغیزستان نے سب سے زیادہ پیش رفت دکھائی جہاں خواتین ارکان پارلیمان کی تعداد میں 12.9 فیصد اضافہ ہوا۔ اس کے بعد غرب الہند کے ملک سینٹ ونسنٹ اینڈ گرینیڈائنز میں 12.3 فیصد اضافہ دیکھنے میں آیا۔

تشدد اور ہراسانی

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ خواتین ارکان پارلیمان کو مردوں کے مقابلے میں عوامی سطح پر دھمکیوں اور ہراسانی کا سامنا بھی زیادہ کرنا پڑ رہا ہے۔ 'آئی پی یو' کی ایک اور رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سیاسی تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات میں خواتین ارکان مردوں کے مقابلے میں زیادہ متاثر ہو رہی ہیں۔ 76 فیصد خواتین ارکان نے بتایا ہے کہ انہیں کبھی نہ کبھی تشدد یا ہراسانی کا سامنا کرنا پڑا جبکہ مرد ارکان میں یہ شرح 68 فیصد تھی۔ ادارے کا کہنا ہے کہ یہ بڑھتا ہوا منفی رجحان بعض خواتین کے انتخابات میں حصہ لینے سے گریز کا سبب بن سکتا ہے اور اس طرح سیاست میں خواتین کی نمائندگی بھی متاثر ہوتی ہے۔ اٹلی کی رکن پارلیمان اور 'آئی پی یو' کے یورپی وفد سے وابستہ ویلنٹینا گریپو کا کہنا ہے کہ اگر خواتین سیاست دان کوئی ایسی بات کہہ دیں جو سامعین کی توقعات کے مطابق نہ ہو تو انہیں فوراً کئی طرح کے حملوں اور تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کولمبیا اس کی نمایاں مثال ہے جہاں پارلیمان نے خواتین سیاست دانوں کے خلاف تشدد کو روکنے اور اس پر سزا دینے کے لیے ایک قانون کی منظوری دی ہے۔ (بشکریہ یو این خبرنامہ)

تعلیم

شفافیت کو یقینی بنایا جائے

نوشکی کسی بھی ملک کی ترقی اور خوشحالی میں تعلیم کا شعبہ انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے تمام شعبوں میں میرٹ کی بنیاد پر ملازمین کی تقرریاں عمل میں لانے کی ضرورت ہے جس سے قابل امیدواروں کی حق تلفی نہیں ہوگی اور اداروں کی کارکردگی بھی بہتر ہوگی۔ میرٹ کی پامالی کے باعث جہاں قابل امیدواروں کی حق تلفی ہوتی ہے وہیں اداروں کی ساکھ پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تعلیم کے شعبے میں اساتذہ کی تقرریاں یونین کونسل کی سطح کے بجائے اوپن میرٹ کے ذریعے عمل میں لائی جائیں تاکہ تعلیمی معیار میں بہتری لائی جاسکے۔لیکن بدقسمتی سے نوشکی میں یونین کی سطح پر اساتذہ اکرام کی تقرریاں عمل میں لانے کے فارمولہ کو اپنایا جارہا ہے، جس سے قابل امیدواروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ دوسری جانب متعلقہ یونین کونسلوں کے اساتذہ یونین کونسلوں میں اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے بجائے سٹی میں اپنے تبادلے کرانے کے تک دو میں لگے رہتے ہیں اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں توجہ بھی نہیں دیتے جس سے دیہی علاقوں کے ہزاروں طلباء اور طالبات کو حصول علم میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میرٹ کے تقدس کو بحال رکھنے کے لیے قانون سازی عمل میں لاکر میرٹ کی بنیاد پر اساتذہ اکرام کی تقرریاں عمل میں لائی جائیں تو اس کے مثبت اور دوررس نتائج سامنے آسکتے ہیں۔اس مقصد کے حصول کے لیے تمام سیاسی جماعتوں، سماجی تنظیموں، عوامی نمائندوں اور ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کو علاقے کے وسیع تر مفاد، روشن اور خوشحال مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے آواز اٹھانے کی ضرورت ہے۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی، وزیر تعلیم محترمہ راحیلہ درانی، چیف سیکرٹری بلوچستان اور سیکرٹری تعلیم بھی اساتذہ کی تقرریاں میرٹ پر عمل میں لانے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔

(محمد سعید)

بدامنی اور نقل مکانی کا اثر: تیراہ کے سینکڑوں طلبہ امتحانات سے قبل مشکلات کا شکار

خیبر وادی تیراہ میں ممکنہ فوجی آپریشن کے خدشے کے باعث نقل مکانی کرنے والے سینکڑوں طلبہ و طالبات امتحانات قریب آنے کے باوجود شدید غیر یقینی صورتحال کا شکار ہیں۔ جماعت نہم اور دہم کے کئی طلبہ کو ابھی تک نہ تو رول نمبر سلپس ملی ہیں اور نہ ہی امتحانی مراکز کے بارے میں معلومات حاصل ہوسکی ہیں۔آٹھویں جماعت کے طالب علم حمزہ خان کے لیے گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد اسکول کا پہلا دن ایک نئی زندگی کا آغاز ہے۔جنوری کے اوائل میں وادی تیراہ سے نقل مکانی کے بعد وہ اپنے خاندان کے ساتھ باڑہ کے علاقے کھجوری میں آکر رہائش پذیر ہوئے اور گورنمنٹ ہائی اسکول کوہی شیر حیدر میں داخلہ لیا۔حمزہ اس سے قبل تیراہ کے ایک نجی اسکول میں زیر تعلیم تھے، مگر نقل مکانی کے بعد معاشی مشکلات کے باعث ان کے والدین کے لیے نجی اسکول کی فیس ادا کرنا ممکن نہ رہا۔حمزہ کے بقول، ہم تیراہ میں آٹھویں جماعت کا کورس مکمل کر چکے تھے اور نویں جماعت کا نصاب پڑھایا جا رہا تھا، مگر یہاں ہمیں دوبارہ آٹھویں جماعت پڑھنا پڑ رہی ہے۔ضلع خیبر کی دورافتادہ وادی تیراہ میں ممکنہ فوجی آپریشن کے خدشے کے باعث گزشتہ سال نومبر میں مقامی آبادی کی نقل مکانی شروع ہوئی جبکہ متاثرہ خاندانوں کی باقاعدہ رجسٹریشن 6 جنوری سے کی جا رہی ہے۔محکمہ تعلیم خیبر کے مطابق متاثرہ علاقوں میں لڑکوں کے 16 سرکاری اسکولوں میں تقریباً 3,300 طلبہ جبکہ لڑکیوں کے 5 اسکولوں میں 400 طالبات زیر تعلیم تھیں۔اس کے علاوہ 10 نجی ہائی اسکولوں میں تقریباً 5 ہزار طلبہ و طالبات، 7 نجی مڈل اسکولوں میں 3 ہزار طلبہ اور 600 طالبات جبکہ 2 نجی پرائمری اسکولوں میں تقریباً 600 طلبہ اور 300 طالبات زیر تعلیم تھے۔اس طرح مجموعی طور پر 13 ہزار سے زائد طلبہ و طالبات تعلیم حاصل کر رہے تھے۔محکمہ تعلیم کے مطابق اب تک تقریباً 1,600 طلبہ و طالبات کو باڑہ کے مختلف سرکاری تعلیمی اداروں میں داخل کیا جا چکا ہے جبکہ مزید طلبہ کی رجسٹریشن اور داخلے کے لیے آگاہی مہم بھی جاری ہے۔وادی تیراہ کے علاقے ورسک کے رہائشی محمد عثمان جماعت نہم کے طالب علم تھے جب وہ ایک ڈرون حملے میں شدید زخمی ہو گئے۔وہ اپنے آٹھ دوستوں کے ساتھ ایک رشتہ دار کی شادی میں شریک تھے کہ حملہ ہوا جس میں ان کا بایاں پاؤں ضائع ہو گیا۔نقل مکانی کے بعد اب وہ باڑہ میں رہائش پذیر ہیں، مگر 31 مارچ سے شروع ہونے والے امتحانات کے باوجود انہیں ابھی تک رول نمبر سلپ اور امتحانی مرکز کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔محمد عثمان کے مطابق علاقے میں بدامنی کے باعث گزشتہ ایک سال سے تعلیمی سرگرمیاں بری طرح متاثر رہی ہیں۔ مسلسل فائرنگ کے واقعات کے باعث طلبہ میں خوف کا ماحول تھا۔کئی بار اسکول کے صحن میں مارٹر گولے گرے جس سے کمروں کی کھڑکیاں اور شیشے ٹوٹ گئے۔اساتذہ بھی اکثر اسکول نہیں آتے تھے اور پڑھائی تقریباً بند رہی۔دوسری جانب سعید خان، جو حال ہی میں تیراہ سے نقل مکانی کر کے باڑہ میں کرائے کے مکان میں رہائش پذیر ہیں، کہتے ہیں کہ تیراہ میں ان کے چار بچے نجی اسکول میں زیر تعلیم تھے مگر موجودہ حالات میں انہیں سرکاری اسکولوں کا رخ کرنا پڑا۔ان کے بقول ان کا بڑا بیٹا نویں جماعت کا طالب علم ہے مگر امتحانات کے قریب آنے کے باوجود اسے رول نمبر سلپ نہیں ملی۔ اسکول انتظامیہ نے کہا ہے کہ بیس ہزار روپے فیس بقایا ہے اور جب تک مکمل فیس ادا نہیں کریں گے رول نمبر سلپ جاری نہیں ہوگی۔ ہم نے دس ہزار روپے قرض لے کر ادا کرنے کی کوشش کی مگر اسکول انتظامیہ پوری رقم کا مطالبہ کر رہی ہے۔وادی تیراہ کے متاثرہ طلبہ کے لیے خصوصی سہولتوں کے حوالے سے بورڈ آف ایلیمنٹری اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کے حکام کا کہنا ہے کہ فی الحال متاثرہ طلبہ کے لیے کوئی خصوصی انتظام نہیں کیا گیا اور ان کے امتحانات دیگر علاقوں کے طلبہ کی طرح ہی لیے جائیں گے۔حکام کے مطابق ماضی میں 2009 کے سوات آپریشن اور کورونا وبا کے دوران صوبائی حکومت نے خصوصی فیصلے کیے تھے جن پر تعلیمی بورڈز نے عمل درآمد کیا تھا، تاہم تیراہ کے معاملے میں ابھی تک ایسا کوئی فیصلہ سامنے نہیں آیا۔گزشتہ سال بدامنی کے باعث تیراہ کے 400 سے زائد طلبہ و طالبات کے امتحانی مراکز باڑہ منتقل کیے گئے تھے جہاں طلبہ نے مشکلات کے باوجود امتحانات میں شرکت کی تھی۔موجودہ صورتحال میں نقل مکانی، مالی مشکلات اور تعلیمی رکاوٹوں نے سینکڑوں طلبہ کے مستقبل کو غیر یقینی بنا دیا ہے۔ (مسعود شاہ)

پبلک لائبریری گزشتہ چھ ماہ سے بند پڑی ہے

اوکاڑہ پبلک لائبریری بصیر پور گزشتہ چھ ماہ سے بند پڑی ہے۔اس لائبریری کو ڈسٹرکٹ ایجوکیشن اتھارٹی اوکاڑہ چلاتی ہے۔ گورنمنٹ ھائی سکول نمبر 1 بصیر پور میں تعینات کلرک محمد فیصل کے پاس اس کا ایڈیشنل چارج ہے۔ یہ کلرک اپنی دفتری مصروفیات کی وجہ سے لائبریری میں ڈیوٹی نہیں دیتا۔لائبریری بند رہتی ہے۔شہری پریشان ہیں۔ شہریوں نے ڈپٹی کمشنر اوکاڑہ سے مطالبہ کیا ہے کہ مذکورہ کلرک کا ایڈیشنل چارج ختم کیا جائے۔لائبریری میں کل وقتی ملازم تعینات کیا جائے اور لائبریری کو روزانہ کھولا جائے۔

(اصغر حسین حماد)

خواتین ہیلتھ ورکر پولیو کے خلاف پرعزم

... پاکستان میں حالیہ پولیو مہم کے دوران رابعہ نے دور دراز اور دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں جا کر 146 گھروں کا دورہ کیا اور 85 بچوں کو پولیو کے قطرے پلائے۔ مومنہ خیبر پختونخوا میں ضلع چترال کے علاقے بونی میں دو رکنی پولیو ٹیم کا حصہ ہیں۔ وہ خدا کا شکر ادا کرتی ہیں کہ انہیں خدمت کا یہ موقع ملا اور وہ اپنے ملک سے پولیو کے خاتمے کی کوششوں میں شریک ہیں۔ تقریباً 400 کلومیٹر دور راولپنڈی کے علاقے خیابان سرسید میں زینت یہی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ انہوں نے گھنٹوں پیدل چل کر تنگ گلیوں سے گزرتے ہوئے اور عمارتوں کی کئی منزلیں چڑھ کر 242 گھروں کا دورہ کیا اور ہر بچے کو منہ کے ذریعے دی جانے والی پولیو ویکسین کے دو قطرے پلائے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ خود بھی ایک ماں ہیں اور انہوں نے اپنے بچوں کو بھی پولیو سے بچاؤ کی ویکسین لگوائی ہے جو صحت مند اور محفوظ ہیں۔ اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ تمام والدین اپنے بچوں کو پولیو کے قطرے ضرور پلائیں تاکہ وہ عمر بھر کی معذوری سے بچ سکیں۔ پولیو کے خاتمے کی عالمی مہم (جی پی ای آئی) کے بانی شراکت دار کی حیثیت سے 'ڈبلیو ایچ او' پاکستان میں انسداد پولیو پروگرام کو تکنیکی اور عملی معاونت فراہم کرتا ہے۔ یہ پروگرام 1994 میں شروع کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں 'ڈبلیو ایچ او' پاکستان اور اس کے شراکت داروں کو دنیا کی اس سب سے بڑی پولیو مہم میں مدد فراہم کرتا ہے جس میں سائنس اور شواہد پر مبنی ویکسین مہمات، پولیو کارکنوں کی تربیت اور تعیناتی، وبا کے پھیلاؤ کو روکنے کے اقدامات، پولیو وائرس کی نگرانی اور ویکسین مہمات کی جانچ اور جائزہ شامل ہیں۔

2024 سے 2025 کے دوران پاکستان میں 'ڈبلیو ایچ او' کے پولیو سے متعلق اقدامات کو متحدہ عرب امارات، برطانیہ، فرانس، کینیڈا، سعودی عرب، جرمنی، امریکہ، گیٹس فاؤنڈیشن اور روٹری انٹرنیشنل کا تعاون بھی حاصل رہا۔ راولپنڈی کی پولیو ورکر نیلم کہتی ہیں کہ پاکستان میں بچوں کے لیے یہ ویکسین انتہائی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ پولیو وائرس انہیں معذور کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ گھر گھر جا کر بچوں کو ویکسین دیتی ہیں تاکہ کوئی بچہ اس مرض کا شکار نہ بن سکے۔ رابعہ، مومنہ، زینت اور نیلم کی لگن لاکھوں پولیو کارکنوں کے عزم کی عکاسی کرتی ہے جو ملک بھر میں خاندانوں اور آبادیوں کو اس خطرے سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ کارکن ہر گلی میں، ہر برفانی ڈھلان پر، ہر صحرائی علاقے میں اور ہر دریا کے پار بچوں کو اس ویکسین کے دو قطرے پلا کر سب کے لیے صحت مند اور پولیو سے پاک مستقبل کی امید لے کر چلتے ہیں۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

احمدیوں کو عبادات سے روکنا انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی

چناب نگر ترجمان جماعت احمدیہ پاکستان کے کہا ہے کہ عیدالفطر کے مقدس دن پنجاب میں بعض مقامات پر احمدیوں سے عبادت گاہیں خالی کرا کے فریضہ عید کی ادائیگی سے پولیس نے زبردستی روک دیا۔ چار دیواری میں بھی مذہب پر عمل کرنے کی اجازت نہ دے کر سپریم کورٹ کے فیصلہ کی واضح خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔

عید کے روز 21 مارچ 2026 کو پنجاب پولیس نے بعض مقامات پر حکومت پنجاب کے احکامات کا حوالہ دے کر احمدیوں کو عید کی عبادت سے روکتے ہوئے انہیں ہراساں کیا اور عبادت گاہوں کو زبردستی خالی کرا کے تالے لگا دیے۔ تفصیلات کے مطابق پنجاب کے چند اضلاع میں پولیس نے احمدیوں کو عید کی عبادت سے روک دیا۔ گوجرانوالہ میں انتظامیہ نے عید کی عبادت سے منع کر دیا۔ سیالکوٹ میں 6 مقامات میں انتظامیہ نے عید کی عبادت نہیں کرنے دی۔ فیصل آباد میں پولیس نے احمدی عبادت گاہ کو زبردستی خالی کروالیا۔ سرگودھا میں مختلف مقامات پر پولیس نے احمدی عبادت گاہوں کو خالی کروا کر تالے لگا دیے گئے۔ ترجمان جماعت احمدیہ پاکستان عامر محمود نے انتظامیہ کی جانب سے محبّ وطن اور پرامن احمدیوں کو عید کی عبادت سے روکنے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مذہبی عقائد اور ان پر عمل کرنے کی آزادی ایک مسلمہ انسانی حق ہے جسے انسانی حقوق کے عالمی منشور میں دفعہ 18 اور آئین پاکستان کے آرٹیکل 20 میں تسلیم کرتے ہوئے اس کی ضمانت دی گئی ہے۔ سرکاری انتظامیہ کی جانب سے احمدیوں کو عید کی عبادت کرنے سے روکنے کے بلاجواز اقدامات آئین پاکستان کے آرٹیکل 20 اور جسٹس منصور علی شاہ صاحب اور جسٹس امین الدین خان صاحب پر مشتمل سپریم کورٹ کے دو رکنی بینچ کے 12 جنوری 2022 کو دیے گئے فیصلے کی واضح خلاف ورزی ہیں۔ سپریم کورٹ نے قرار دیا تھا کہ احمدی اپنی چار دیواری کے اندر اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی رکھتے ہیں۔ ترجمان نے مزید کہا کہ ریاست پاکستان کے ذمہ دار متعدد بار واضح کر چکے ہیں کہ پاکستان میں انتہا پسندی کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ریاست کے اعلیٰ حکام کی جانب سے واضح اور دوٹوک موقف کے باوجود بعض جگہ پر انتظامیہ کے چند افسران نے احمدیوں کو عید کی عبادت سے بلاجواز روکا جس سے وطن عزیز کی نیک نامی کو ٹھیس پہنچی۔ ترجمان نے مطالبہ کیا کہ آئین پاکستان کی مذہبی آزادی کی ضمانت اور ریاست کے ذمہ داران کی جانب سے انتہا پسندی کو مسترد کرنے کے عزم کو انتظامیہ کے اقدامات میں بھی جھلکنا چاہیے اور احمدیوں کے حقوق کی پامالی سے باز آجانا چاہیے۔ (عامر محمود)

نابالغ ہندو بچی، تبدیلی مذہب بالغ کے ساتھ نکاح

میرپور ضلع میرپورخاص کی تحصیل کوٹ غلام محمد کے قریبی علاقے بخاری فارم کے گوٹھ علی محمد مری کے رہواسی کولھی قبیلے کے والد ریش کمار اور ماں بھوری کی 11 سالہ معصوم بچی پچھمی بائی کو 28 سالہ مسلم نوجوان پرویز ولد گلزار مری نے بتاریخ 12 مارچ کو اغوا کر کے تبدیلی مذہب کے بعد نکاح کر لیا۔ پولیس کیس درج کرنے کے بجائے ٹال مٹول کرتی رہی۔ یہ ناانصافی پر مبنی واقعہ سوشل میڈیا پر خوب وائرل ہوا۔ پولیس کی طرف سے کیس درج نہ کرنے کے خلاف 15 مارچ کو مسکین، معذور والدین و دیگر ورثا، دراوڑ اتحاد کے رہنماؤں فقیر شیوا کچھی، کولھی قبیلے کے مانومل، نیم داس، والجی مل، دلیپ کمار میگھواڑ اور دیگر کی رہنمائی میں کوٹ غلام محمد شہر کے داخلی گیٹ پر درجنوں افراد نے احتجاجی مظاہرہ کیا اور دھرنا دے کر روڈ بلاک کر دیا۔ احتجاجی دھرنے کے بعد پولیس نے مجبور ہو کر متاثرین کو کیس درج کرنے کی یقین دہانی کروا کر احتجاج ختم کروایا۔ بچی کے معذور والد کے مطابق میری بیٹی پچھمی بائی کی تاریخ پیدائش 2021ء میں بنوائے گئے (ب) فارم کے مطابق 15 مارچ 2015 ہے۔ اس لحاظ سے اغوا کے روز میری بچی کی عمر 11 برس ہوئی تھی۔ لیکن گوٹھ گلزار خلیل تعلقہ سامارو کے مدرسے کی طرف سے جاری تبدیلی مذہب کی سند میں عمر 19 برس ظاہر کر کے اسلامی نام شبانہ شیخ رکھا گیا۔ اور 28 سالہ پرویز مری سے نکاح ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ ہمارے ساتھ بڑا ظلم اور ناانصافی ہے۔ پولیس نے کیس درج کر کے مختلف مقامات پر چھاپے مار کر نامزد ملزم کو گرفتار کر کے، مغویہ بچی کو بازیاب کرا لیا۔ 19 مارچ کو بچی کو میرپورخاص کی عدالت میں عورت جج کے سامنے پیش کیا گیا جہاں بچی کا 164 کے تحت بیان ریکارڈ کیا گیا۔ عدالتی کاروائی کے بعد بچی کو کوٹ غلام محمد کی مقامی عدالت میں پیش کیا گیا۔ جہاں عدالت کی طرف سے گرفتار ملزم پرویز مری کو 11 دنوں کے جوڈیشل ریمانڈ پر میرپورخاص جیل منتقل کیا گیا اور بچی کو میرپورخاص کے دارالامان منتقل کرنے کا حکم دیتے ہوئے ہدایت کی گئی کہ بچی کا مکمل میڈیکل چیک اپ کرایا جائے تاکہ اس کی اصل عمر کا پتہ چل سکے اور کیس میں مزید قانونی کاروائی مکمل ہو سکے۔

(نامہ نگار)

بچے

بچے کا سفاک قاتل گرفتار

دیر بالا مدعی جواد اللہ ولد تحصیل خان سکنہ دوبندو نے مورخہ 09 مارچ 2026 کو تھانہ دیر سٹی میں رپورٹ درج کرائی کہ اس کا بھتیجا محمد ایان ولد رحمٰن حسین (عمر تقریباً 7/8 سال) لاپتہ ہے۔ رپورٹ کے اندراج پر تھانہ دیر سٹی میں مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی گئی۔ اس کے بعد والدین کو مختلف نمبروں سے تاوان کی کالز موصول ہو رہی تھے۔ واقعہ کا نوٹس لیتے ہوئے ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر دیر بالا اسلم نواز (PSP) نے ایس پی انوسٹی گیشن محمد الیاس خان کی سربراہی میں ایس ڈی پی او سرکل دیر مشرف خان، ایس ڈی پی او سرکل واڑی فخر عالم خان، ڈی ایس پی انوسٹی گیشن اختر علی، ایس ایچ او تھانہ دیر سٹی جوہر علی اور دیگر پولیس آفسران پر مشتمل خصوصی تحقیقاتی ٹیم تشکیل دی اور بچے کی بازیابی کیلئے فوری اقدامات کی ہدایت جاری کی۔ تفتیش کے دوران انکشاف ہوا کہ بچے کو اغوا کرنے والا ملزم اس کا اپنا چچا زاد بھائی نکلا، جس نے خاندانی رنجش اور لالچ کی بنا پر بچے کو اغوا کر کے قتل کر دیا۔ دیر بالا پولیس نے سفاک ملزم کو گرفتار کر لیا ہے جبکہ ملزم کی نشاندہی پر بچے کی لاش بھی برآمد کر لی گئی ہے۔ ملزم سے مزید تفتیش جاری ہے اور اسے جسمانی ریمانڈ کیلئے عدالت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (معاذ جان)

بچہ اغوا کے بعد جنسی زیادتی کا شکار

اوکاڑہ حویلی لکھا کے نواحی علاقے حکومت گڑھ میں 15 سالہ ذہنی معذور تنویر احمد ولد کبیر احمد کے اغوا اور زیادتی کے الزام پر پولیس نے مقدمہ درج کر لیا۔ ایف آئی آر کے مطابق متاثرہ ذہنی معذور تنویر احمد کے والد ظہور احمد سکنہ حکومت گڑھ کی درخواست پر تین نامزد ملزمان کے خلاف دفعات 375 اور 376 کے تحت کارروائی عمل میں لائی گئی ہے۔ ایف آئی آر میں ملزمان کے نام شہزاد ولد محمد اسلم، ریحان ولد منیر، اور علی ولد محمد نذیر درج ہیں۔ پولیس کے مطابق ملزمان نے 22 مارچ کی رات تقریباً 9 بجے رات ذہنی معذور تنویر احمد کو گھر کے باہر سے اغوا کیا اور ایک ملزم کے گھر لے گئے، جہاں جنسی تشدد کیا گیا ملزم علی دیگر ملزمان کی ویڈیو بناتا رہا اطلاع ملنے پر پولیس فوری طور پر موقع پر پہنچی، لیکن ملزمان فرار ہو گئے۔ متاثرہ لڑکے کی والدہ زاہدہ بی بی اور مقامی افراد نے پولیس کو فوری اطلاع دی۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے اور ملزمان کی تلاش جاری ہے۔

(اصغر حسین حماد)

دنیا میں ہر سال 49 لاکھ بچے اپنی پانچویں سالگرہ نہیں دیکھ پاتے

دنیا بھر میں چھوٹے بچوں کی صحت و زندگی کو تحفظ دینے کی جانب پیش رفت تشویشناک حد تک سست پڑ گئی ہے۔ 2024 میں 49 لاکھ بچے پانچ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے انتقال کر گئے تھے جن میں نومولود بچوں کی تعداد 23 لاکھ تھی۔ بچوں کی اموات کا تخمینہ لگانے والے اقوام متحدہ کے بین الاداری گروپ کی تازہ ترین رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 2000 کے بعد پانچ سال سے کم عمر بچوں کی اموات میں 50 فیصد سے زیادہ کمی آئی ہے مگر 2015 کے بعد اس کمی کی رفتار 60 فیصد تک سست پڑ چکی ہے۔ 2024 میں ایک ماہ سے پانچ سال تک عمر کے ایک لاکھ سے زیادہ بچے شدید غذائی قلت کے باعث ہلاک ہوئے۔ یہ اس نوعیت کا پہلا عالمی تخمینہ ہے جس میں پاکستان، صومالیہ اور سوڈان میں سب سے زیادہ تعداد اموات ریکارڈ کی گئیں۔ ماہرین کے مطابق اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے، کیونکہ غذائی قلت مدافعتی نظام کو کمزور کر دیتی ہے اور دیگر بیماریوں کا خطرہ بڑھا دیتی ہے جبکہ بہت سے واقعات سامنے ہی نہیں آ پاتے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ایسی اموات کو موثر، کم لاگت اقدامات اور معیاری طبی سہولیات کی دستیابی کے ذریعے روکا جا سکتا ہے۔ اس میں پہلی مرتبہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس قدر تعداد میں بچے کہاں ہلاک ہو رہے ہیں اور ان ہلاکتوں کی وجوہات کیا ہیں۔

متعدی بیماریوں کا خطرہ

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے اطفال (یونیسف) کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر کیتھرین رسل نے کہا ہے کہ کسی بچے کو قابل انسداد بیماری کے سبب موت کے منہ میں نہیں جانا چاہیے۔ بدقسمتی سے بچوں کی بقا کے ضمن میں پیش رفت ایسے وقت سست ہو رہی ہے جب عالمی سطح پر امدادی وسائل میں بڑے پیمانے پر کٹوتیاں کی جا رہی ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ متعدی بیماریاں اب بھی بچوں کے لیے بڑا خطرہ ہیں۔ دنیا میں 43 فیصد کم عمر بچوں کی اموات نو بڑی بیماریوں کے باعث ہو رہی ہیں۔ زندگی کے پہلے مہینے کے بعد ملیریا، اسہال اور نمونیا جیسی بیماریاں بچوں میں اموات کی بڑی وجوہات ہیں اور ایسے علاقوں میں ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے جہاں ان بیماریوں کا غلبہ ہے۔ ان میں چاڈ، جمہوریہ کانگو، نجر اور نائجیریا قابل ذکر ہیں جہاں تنازعات، موسمیاتی تبدیلی، مچھر بردار امراض، جراثیمی مزاحمت اور دیگر حیاتیاتی خطرات کے باعث روک تھام اور علاج تک رسائی متاثر ہو رہی ہے۔

نوزائیدہ بچوں میں بڑھتی اموات

قبل از وقت پیدائش، زچگی کے دوران پیچیدگیاں اور انفیکشن نوزائیدہ بچوں کی بڑھتی ہوئی اموات کے بڑے اسباب ہیں۔ 2024 میں ذیلی صحارا افریقہ میں ایسے طبی مسائل کا شکار خواتین میں اموات کی شرح 58 فیصد جبکہ جنوبی ایشیا میں 25 فیصد ریکارڈ کی گئی۔ تنازعات کا شکار علاقوں میں بچوں کے پانچ سال کی عمر تک زندہ رہنے کے امکانات دیگر علاقوں کے مقابلے میں تقریباً تین گنا کم ہوتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق، 2024 میں پانچ سے 24 سال کے درمیان عمر کے 21 لاکھ بچوں اور نوعمر افراد کا انتقال ہوا۔ 15 سے 19 سال عمر کی لڑکیوں میں خودکشی اور لڑکوں میں ٹریفک حادثات اموات کی سب سے بڑی وجوہات تھیں۔

پائیدار ترقی کا موثر طریقہ

اقوام متحدہ کے شعبہ اقتصادی و سماجی امور کے سربراہ لی جنھوا نے ان نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ کئی ممالک پائیدار ترقیاتی مقاصد کے تحت بچوں کی بقا کا ہدف حاصل کرنے میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سبھی جانتے ہیں کہ ان اموات کو کیسے روکا جا سکتا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ سیاسی عزم کو از سر نو مضبوط کیا جائے، بنیادی طبی سہولیات میں مسلسل سرمایہ کاری کی جائے اور حصول معلومات کے مضبوط نظام قائم کیے جائیں تاکہ کوئی بچہ نظر انداز نہ ہو۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بچوں کی صحت پر سرمایہ کاری دراصل پائیدار ترقی کے سب سے موثر طریقوں میں شامل ہے اور ویکسین، غذائیت کے پروگرام اور ماہر طبی عملے تک رسائی جیسے اقدامات لاکھوں جانیں بچا سکتے ہیں۔

(بشکریہ یو این خبر نامہ)

ایچ آرسی پی شکایات سیل

ایچ آرسی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آرسی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آرسی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں، واٹس ایپ کر سکتے ہیں،ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آرسی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کرو اسکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور	کراچی	پشاور
ایوان جمہور۔107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600 فون : +92 42 3586 4994, 3583 8341, 3586 5969 ای میل : hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org مرکزی شکایات سیل فون : +92 042 3584 5969 موبائل: + 92 0333 200 6800 ای میل: complaints@hrcp-web.org	یونٹ نمبر 08،فلور 1 سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس) عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی۔74400 فون : +92 21 3563 7131, 3563 7132 شکایات سیل (موبائل) : +92 315 111 6287 ای میل : karachi@hrcp-web.org	43 گلشن اقبال لین (نزد ارباب روڈ سٹاپ) یونیورسٹی روڈ، پشاور فون : +92 091 584 4253 شکایات سیل (موبائل) : +92 0318 950 0640 ای میل : peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد	کوئٹہ	حیدرآباد
آفس B-1،فلور 2 بلاک ڈی-12، (اوپر فیصل بینک) جی 8، مرکز، اسلام آباد فون : +92 51 835 1127 شکایات سیل (موبائل) : +92 333 569 4773 ای میل : islamabad@hrcp-web.org	فلیٹ نمبر C-6 کبیر بلڈنگ ایم۔اے۔جناح روڈ، کوئٹہ فون : +92 81 282 7869 شکایات سیل (موبائل) +92 306 294 6125 ای میل : quetta@hrcp-web.org	306- فائزہ آرکیڈ، (لوفٹ اینڈ میزانائن فلور) نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ صدر کنٹونمنٹ، حیدرآباد فون : +92 22 278 3688, 720 770 فیکس : +92 22 278 4645 شکایات سیل (موبائل) : +92 310 339 2222 ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان	گلگت	تربت/مکران
2511/5A ابدالی کالونی نزد بریٹین سکول ملتان فون : +92 61 451 7217 شکایات سیل (موبائل) : +92 331 665 5529 ای میل : multan@hrcp-web.org	آفس نمبر 8-9، رانگ یل پلازہ جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد کالونی، جتیال، گلگت موبائل : +92 0344 547 5553 شکایات سیل (موبائل) : +92 355 454 1088 ای میل : gilgit@hrcp-web.org	پرواز ہاؤس، بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی پسنی روڈ، تربت، کیچ فون : +92 852 413 365 شکایات سیل (موبائل) : +92 323 234 2406 ای میل : turbat@hrcp-web.org

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کارروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ